فون نمبر: 5863260 5862956 — مدیر: چوہدری ریاض احمد — نائب مدیر: حامد رحمٰن — رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532

Email: centralanjuman@yahoo.com — قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 100 | 24 ذیقعد تا 25 ذوالحج 1434 ہجری یکم تا 31 اکتوبر 2013ء | شمارہ نمبر 19-20

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

(امیر اول جماعت احمدیہ لاہور)

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید رحمتہ اللہ علیہ

(امیر چہارم جماعت احمدیہ لاہور)

حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ایک اعجازی نشان

از: مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم ومغفور

اِک واقعہ عجیب بتاتا ہوں مَیں تمہیں — اِک معجزہ ہے جو سناتا ہوں مَیں تمہیں

مشہور ہے جہاں میں محمد علیؒ کا نام — اس محرمِ رموزِ خفی و جلی کا نام

تھا جو عمل میں عِلم میں یکتائے روزگار — جس کو خدا نے خوبیاں بخشی تھیں بے شمار

بے مثل و بے نظیر مفسّر قرآن کا — ممتاز اِک مرید مسیح الزماںؑ کا

اِک دن تپ شدید سے وہ مردِ باخدا — بیمار سخت ہوگیا اللہ کی رضا

پھیلی ہوئی تھی ان دِنوں طاعون کی وَبا — طاعون کیا تھی گویا اجل کا پیام تھا

سمجھا کہ ہورہا ہوں مَیں طاعون کا شکار — بچنے کی اَب نہیں کوئی امید زینہار

بیتاب دل تھا کرب تھا اور اضطراب تھا — رگ رگ میں اس کی گویا تھا نشتر چُبھا ہوا

جب زندگی سے اپنی وہ مایوس ہوگیا — بُلوا کے دوستوں کو وصیّت بھی دی لکھا

جاکر کسی نے حضرت اقدسؑ کو دی خبر — اے حسرت! اَب ہے حالتِ بیمار خستہ تر

چہرہ پہ اس کے یاس کے آثار ہیں عیاں — گویا وہ ہونے والا ہے سُوئے عدم رواں

نزدِ مریض جلد مسیحِ زماں گئے — اور یوں لسانِ صدق سے گوہر فشاں ہوئے

میرے حبیب کیوں تجھے اتنی ہے بے کلی — طاعون تجھ کو چھو سکے ممکن نہیں کبھی

محفوظ ہے جو دار میں میرے مقیم ہے — ایسا ہی مجھ سے وعدہ رب رحیم ہے

طاعون ہو اگر تجھے اے مردِ نیک نام — جھوٹا ہے میرا سلسلہ جھوٹا مرا کلام

کہہ کر یہ ہاتھ نبض پہ رکھا امام نے — اس مردِ برگزیدہ علیہ السلام نے

رکھتے ہی ہاتھ نبض پہ تپ دُور ہوگیا
یہ معجزہ مسیح کا مشہور ہوگیا

☆☆☆☆

خطبہ عید الاضحیٰ

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 16 اکتوبر 2013ء بروز بدھ، بمقام جامع دارالسلام، لاہور

ترجمہ: ”اللہ بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام کے ساتھ“

”نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ اُن کا خون، لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے اُنہیں تمہارے کام میں لگا دیا تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنے والوں کو خوشخبری دو“۔ (سورۃ الحج 22، آیت 37)

ہر انسان جو کوئی دین رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے سامنے ایک نصب العین ہوتا ہے اور جو اس کے دل میں ایک خواہش ہوتی ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب اور خوشنودی حاصل ہو۔ اسی خواہش کو حاصل کرنے کے لئے جو چیزیں اہم ہیں ان میں ایک نماز کا قائم کرنا اور دوسرا قربانی دینا ہے۔ اس قربانی میں ہم جو جانوروں کی قربانی دیتے ہیں وہ بھی آجاتی ہے اور ہم جو اپنی بہتری کے لئے اس دنیا میں اللہ کے لئے کچھ بھی قربان کر رہے ہوتے ہیں چاہے وہ ہمارا وقت ہو، چاہے وہ ہماری جان ہو، چاہے وہ ہمارا مال ہو، یہ تمام قربانیاں اللہ کو اچھی لگتی ہیں اور وہ بندے کو اپنے قریب لے آتا ہے اور اسی طرح نماز جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ایک تعلق کو قائم کرتی ہے۔ اگر کوئی نماز ادا کئے بغیر یہ سمجھے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کر سکے گا تو وہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طریقہ بتایا ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کو پا سکتے ہیں اور اس میں سب سے پہلے نماز ہے اور قربانی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی میں ہم نے نمونہ پایا اور ہم جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین شخص تھے، جب سے انسانیت کا آغاز ہوا اور جب تک انسانیت رہے گی وہ مقام صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا اور وہ ایک نمونہ ٹھہرے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے، آپؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بتا یا دیا کہ انا اعطینک الکوثر لیکن ساتھ شرط بھی لگا دی کہ نماز اور قربانی کا جاری رہنا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ایک مقام کو پا لینے کے بعد نمازیں اور قربانیوں کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ اور بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ جب ایک مقام پر ہم پہنچتے ہیں اس سے بہتر تک جو پانا ہے اس کے لئے نماز اور قربانی بہت ضروری ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”سو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر“ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون نمازیں پڑھتا تھا نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد اور ان سے زیادہ قربانی کس نے دی لیکن ان کے لئے بھی یہی حکم ہوا۔

آج ہم حج کے بعد عید منا رہے ہیں اور اُس کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ ان فرائض میں اللہ تعالیٰ کی قربت مقصود ہے اور ان کی وجہ سے ہمیں ہر سال ایک یاددلائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کے فرمانبرداری کا عزم ہم نے بڑھانا ہے۔

حج جیسی سعادت جو اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے اس سے بھی ہمیں محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے راستے کھولنے پر قادر ہے۔ اس یقین کو اپنے دل سے کسی نے نہیں مٹانا اور دعاؤں میں لگے رہنا ہے اور جو ہم قربانیاں دے رہے ہیں وہ دیتے رہنا ہے۔ حتیٰ کہ یہ تمام فیصلہ جات، یہ تمام فتوے جو انسانوں کو ان کے دینی فرائض سے روکے ہوئے ہیں، ہٹ نہیں جاتے یا ہٹائے نہیں جاتے۔ یاد رہے ہٹانے والی ایک ہی ہستی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ اس پر مکمل یقین رکھیں اور یہ ایک وقتی آزمائش ہے جو ہمیں حج سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ اس آزمائش

میں بھی ہم نے اپنی عبادات کو اور بڑھانا ہے۔ اس آرزو میں زندگی بسر کرنی ہے اور آزادی تک اُٹھ اُٹھ کر راتوں کو دعائیں کرنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آزادی عطا فرمائے اور ہمیں ہر آزمائش سے بچائے۔ گو کہ ہم محروم رہتے ہیں لیکن جب بھی ہم ٹی وی لگاتے ہیں اور ہمیں اگر وہ چینل نصیب ہو جس پر حج کے نظارے دکھائے جاتے ہیں تو وہ کتنے روح پرور ہوتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں جو اس وقت ہم دیکھتے ہیں اور جن کے لئے ہمارے دل خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے ہم کو بھی بنا دے۔ جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں عبادات کی اور ارکان حج کی ظاہری شکل ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں یاد رہے کہ اسلامی عبادات کے پیچھے اس کی رُوح یا باطن ہوتا ہے۔ اسی کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے جو میں نے خطبہ کے شروع میں تلاوت کی ہیں۔

ترجمہ: ”نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں، نہ ان کے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے“۔

پس تقویٰ قربانی کی رُوح ہے اور تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب اللہ کی خوشنودی کے لئے انسان اپنی زندگی گذار دے، اپنے آپ کو مکمل طور پر وقف کر دے کہ اس کی خوشنودی حاصل کرنی ہے، اسی کو عبادت کہتے ہیں، اسی کو عبدیت کہتے ہیں۔

عبد کون ہے؟

عبد وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہ کہ جنت حاصل کرنے کے لئے اور دوزخ سے بچنے کے لئے نیکیاں کرتا ہے بلکہ اللہ کے حکموں پر پوری لگن سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

اگر ہم لفظ قربانی پر غور کریں تو اس کی بنیاد ”ق۔ ر۔ ب“ ہے یعنی وہ چیز جس کے کرنے سے قرب الٰہی حاصل ہو۔ اس قربانی کا روحانی پہلو یہ نہیں کہ ایک جانور کو ایک طرف لٹا کر چھری پھیر دی بلکہ اس کا روحانی مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات قربانی کرتے وقت سب سے اہم بات ہو کہ یہ جانور جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کر دیا وہ نہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو اور نہ اس کو کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ قربان ہونا چاہتے ہو یا نہیں۔ اس لئے جو اس نے تمہارے حوالے کر دیا اس پر تمہیں حق دے دیا کہ اس پر تم چھری چلا سکتے ہو، اس وقت خیال کرنا ضروری ہے کہ یہ قربانی جو دی جارہی ہے اس کی اصلی رُوح اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے آگے ایک جانور کو بے بس کر دیا اسی طرح ہم ہمیشہ اللہ کے آگے بے بس ہیں اور وہ جب چاہے ہماری زندگی لے سکتا ہے۔ اسی لئے ہمیشہ تقویٰ کی حالت میں رہنے کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ **ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو جیسا کہ اس کے تقوے کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو“ (سورۃ آل عمران ۳ آیت ۱۰۲)**

ہمارے پاس ایک سیکنڈ، ایک لمحہ نہ ہو جس میں ہم اللہ تعالیٰ کے ڈر اور تقویٰ کی حالت میں اور اس کے آگے اسلم Submit کئے ہوئے زندگی بسر نہ کر رہے ہوں کیونکہ زندگی کب ختم ہو جائے کسی کو بھی نہیں پتا۔ شاید آج اس بکرے کو بھی نہیں پتا کہ نمازیں ادا ہوتے ہی میرے اوپر چھری چلا دی جائے گی۔ جس طرح ایک بکرے کی جان اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں دے رکھی ہے اسی طرح ہماری جان بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جب اور جہاں چاہے وہ زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر وقت اطاعت میں زندگی بسر کرنے کو ہی اسلام کہتے ہیں۔

ہر وقت ”اسلم“ یعنی فرمانبردار رہنے کا اعلیٰ نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ملتا ہے۔ اور وہ نمونہ ہمارے لئے ایک ہدایت کا موجب رہنا چاہیے۔ قرآن کریم میں آتا ہے: **”یقیناً تمہارے لئے اُن میں اچھا نمونہ ہے، اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ (کے سامنے جانے) اور پچھلے دن کی اُمید رکھتا ہے، اور جو کوئی منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تعریف کیا گیا ہے“ (سورۃ الممتحنۃ آیت 6)**۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور ان کے ساتھ جو لوگ تھے جن میں حضرت اسماعیل کی والدہ بھی شامل ہیں کیونکہ اس قربانی میں سب نے رضامندی کا اظہار کیا ہے۔

عید سے ہمیں کیا حاصل کرنے کا تہیہ کرنا ہے

ہم عید کی ظاہری خوشیاں دیکھتے ہیں۔ہم جو روایتی خوشیاں مناتے ہیں،اس سے زیادہ ضروری ہے کہ اس عید سے ہمیں کچھ حاصل ہو۔اگر وہ حاصل ہو گیا تو ہمیشہ کے لئے خوشی حاصل ہو جائے گی اور اگر وہ حاصل نہ ہوا تو عید پھر ایک تہوار جیسے کرسمس یا ایسٹر وہی بن کر رہ جائے گا۔ جو ہم نے حاصل کرنا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی ،تقویٰ اللہ کو کسی حال میں اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، اس پر مکمل توکل کرنا اور اسی کی راہ میں دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھنا۔یہ ہماری بیعت کا حصہ بھی ہے۔ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پر چلنا ہے اور عزم کرنا ہے کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قربانی مانگی جائے اسے دینا ہے۔اس کا عملی نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کے حکم کی اطاعت میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک کو قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جانا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قربان ہو جانے کے لئے گردن کا پیش کر دینا اور آپؑ کا ہر امتحان کے وقت بے جھجک کہہ دینا کہ **”میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار ہوں“۔**

کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم آزمائشوں کا خود ہی معیار مقرر کر دیتے ہیں کہ بہت آزمائے گئے؟ آج کا دن ہمارے عزم کا دن ہو کہ آزمائش جیسی بھی آئے ہم نے اللہ کے دین پر قائم رہنا ہے۔چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم مسلمان ہیں اور یہ پیغام بچے بچے کو پہنچایا جائے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا اور کوئی دین نہیں، ہمارا دین صرف **لاالہ الا للہ محمد رسول اللہ** ہے اور جو کوئی **لا الہ الا للہ محمد رسول اللہ** کہتا ہے وہ مسلمان ہوتا ہے۔ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور ان کے بعد نہ کوئی نیا نہ پرانا نبی آئے گا۔اور قرآن کریم وہ آخری کتاب ہے جو وحی کے ذریعہ ایک رسول صلعم پر نازل ہوئی۔یہ ہمارا مکمل یقین ہے اس لئے ہم مکمل مسلمان ہیں۔فتوے لوگوں نے بنائے ہوتے ہیں۔سیاسی فتوے جن میں علمائے دین بھی شامل ہو جاتے ہیں لیکن ان سیاسی فتوؤں سے انسان کافر نہیں ہوا کرتے۔کافر،کفر اور اسلام یہ دل کے معاملے ہیں اور یہ دل اللہ کے آگے جواب دہ ہے۔اس لئے یہ کبھی نہ بھولیں اور کسی کو مت بھولنے دیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان ہی رہیں گے اور اپنی تمام نمازیں، اپنی تمام قربانیاں، اپنی ساری زندگی اور اپنی موت رب العالمین کے حوالے ہے۔یہ ہمیں یقین ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرانا ہمارا عزم ہونا چاہیے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں جو چیز سب سے مشترک تھی وہ تھی **”لاشریک لہ“**۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو بتوں سے خالی کر دیا، اپنی زندگی کا جو مقصد لے کر آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کو قائم کیا جائے۔اس شرک بھرے ملک میں کعبہ جہاں 360 بت پڑے ہوتے تھے اس سے ان کو خالی کر دیا اور وہ اللہ کا گھر کہلایا۔ ہمارے دل بھی اللہ کا گھر کہلاتے ہیں،ہمیں آج اپنے دلوں کو ٹٹولنا ہے کہ ان میں کتنے بت ہیں جن کو ہم نے توڑنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی دل میں آئے گا جس میں کوئی بت نہ ہو۔وہ شرک والے دل میں نہیں بسے گا۔اور وہ دل باوجود اللہ کا گھر کہلانے کے ایک تاریک کوٹھری بن جاتا ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ:

The darkest thing in the world is the beloved house without the beloved in it

”وہ گھر سب سے تاریک گھر ہوگا چاہے وہ محبوب کا گھر ہو جس میں محبوب ہی نہ ہو“ تو اپنے محبوب کے لئے جگہ بنانے کے لئے ہمیں کچھ صفائی کرنی پڑے گی ،ہمیں تمام بتوں کو توڑنا ہے اور ہر ایک انسان کے دل میں اپنے اپنے بت ہوتے ہیں۔کوئی نہیں یہ لسٹ دے سکتا ہے کہ یہ یہ چیزیں آپ نے کم کرنی ہیں۔

حج کا فلسفہ

آخر میں میں حضرت جنیدؒ جو ایک اولیا اللہ تھے ان کا حج کے متعلق فلسفہ آپ کے سامنے مختصراً بیان کرتا ہوں اس کی تفصیل کتاب ”کشف المحجوب“ صفحہ 248 میں درج ہے:

☆ جب گھروں سے کوچ کرو اس وقت گناہوں سے بھی کوچ کرو۔

☆ جب کپڑے بدل کر احرام باندھو تو بشری صفات سے بھی جدا ہو جاؤ۔

☆ خانہ کعبہ کا طواف کرو تو حق تعالیٰ کے جمال کے نتائج کو دیکھو۔

☆ صفا مروا کو صحیح کرو تو نفس کو صاف اور پاک کرو۔

☆ منا میں تمہاری ہستیاں تم سے جدا ہو جائیں۔

☆ جب قربانی کرو تو اپنی نفسانی خواہشوں کو بھی قربان کر دو۔

☆ جب تم پتھر مارو تو اپنے گناہوں کو بھی پتھروں کی طرح پھینک دو اور انہیں وہیں چھوڑ کر آجاؤ اور ان پتھروں کا نشانہ اپنے اندر کے شیطانوں پر بھی مارو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن بھی دکھائے جب ہم حج کی سعادت نصیب کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ہمیں حج کی سعادت سے محروم رکھا گیا ہے۔ ہمیں یہ دعا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ملک کو دین کی روح سے نواز دے۔ پاک پاکستان بنا دے اور اس میں نیک لوگ آئیں جو دین کی خدمت کریں اور اپنی سیاست کی بجائے اللہ تعالیٰ کا دین جیسے اسے ہونا چاہیے جہاں ہر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو مسلمان سمجھا جائے وہ پاکستان اللہ تعالیٰ اس کو بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی حفاظت میں رکھے، بیرونی خطرات سے بچا کر رکھے، ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ قائم رکھے، ہمارے ایمانوں کو کوئی چیز ہلا نہ سکے۔ ہم صرف اللہ پر یقین رکھیں۔ اور وہ ہماری مدد فرمائے اور ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے دین پر بغیر ڈر کے ہم اس ملک میں اس پر عمل کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو تخریب کاری سے بچائے خاص کر اس ملک کو، خاص کر ان جماعتوں کو جو اللہ کی راہ میں کام کرتی جا رہی ہیں، تمام بیماروں کو اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے اور جو ہم میں سے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت میں اونچے مقام عطا فرمائے اور جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں نیک نمونوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو صبر عطا فرمائے۔ ہماری قربانیاں قبول فرمائے اور وہ صحیح جذبہ جس کے ماتحت قربانی ہونی چاہیے اس کا ہمیں احساس رہے اور اس کے ساتھ ہمارا آئندہ دین پر استقامت سے قائم رہنے کے عزم پر ہمیں قائم رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے قربانی دینے اور اس کے آگے نمازیں قائم کرنے والے ہم ہمیشہ کے لئے بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ تمام دعائیں قبول فرمائے۔

آپ سب کو میری طرف سے عید مبارک ہو۔

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

مِلا تھا ہم کو قسمت سے یہ میرِ کارواں ایسا

ہوئی خاموش محفل میں جو تھی اک شمع نورانی
نمایاں جس کے دم سے تھا جہاں میں نُورِ ایمانی
محمدؐ اور علیؓ کے نام کا وہ متقی انسان
ہوئی جس کی بدولت علم و عرفاں کی فراوانی
مسیحِ وقت لے لُطف و کرم کا فیض تھا یہ بھی
کہ اس کے جذبہ ایثار میں تھا جوشِ ایمانی
چُنا تھا حق نے اس کو خدمتِ قرآن کی خاطر
قیامت تک گواہی دے گی یہ تحریکِ قرآنی
روانی فیض سلطانِ قلم سے وہ قلم میں بھی
کہ دنیا کرسکی پیدا نہ اس کا آج تک ثانی
جہادِ فی سبیل اللہ میں تھا منہمک ایسا
نہ تھا رنجِ گرانجانی نہ فکرِ تن آسانی
مِلا تھا ہم کو قسمت سے یہ میرِ کارواں ایسا
کہ جس کی رہنمائی سے ہوئی منزل کی آسانی
جماعت کو بفضلِ حق ہدایت تیری ازبر ہے
کرے گی علم قرآں کی قیامت تک نگہبانی
درخشاں جس کے دم سے تھی رہِ دیں میں خداترسی
حقیقت کورچشموں نے مگر اس کی نہ پہچانی
الٰہی پھول برسیں قبر پر روزِ قیامت تک
رہے سایہ فگن تاحشر اس پہ فضلِ ربانی

(برق اکبر آبادی)

اداریہ

آیئے مولانا محمد علیؒ کے نقشِ قدم پر چلیں

13اکتوبر کادن احمدیت کی تاریخ میں حزن وملال کا دن ہے۔اس دن وہ بطلِ جلیل جس نے مسیح موعود کی آغوش میں تربیت پائی۔قرآن کریم اور دین کی حقیقی وشاندار تصویر دنیا میں پیش کی اور خود مسیح موعود کی جماعت کو گمراہی کے غار سے نکال کر آپ کے اصل مقام سے روشناس کرایا اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت مولینا محمد علیؒ نے 1902ء سے حضرت مسیح موعود کے زیر ہدایت خدمت دین کا کام شروع کیا،ابتداء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ دین کا پیغام مغربی دنیا میں پہنچایا۔پھر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ نہ صرف انگریزی بلکہ ان نوتعلیم یافتہ لوگوں کو جن کا ایمان قرآن کریم سے اٹھ چکا تھا،نور ایمان سے منور کیا،اردو ترجمہ قرآن،حدیث،سیرت،فقہ اور کئی مختلف مسائل پر انگریزی اور اردو کتابیں لکھ کر مسیح موعودؑ کے مشن کو تکمیل تک پہنچایا،ان کی کتب اور قرآن کریم کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے جن کی وجہ سے حضرت مولانا اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شہرت دنیا میں پھیل گئی۔اور تمام دنیا میں دینی مسائل کے متعلق آپ کو سند مانا جانے لگا۔یہ سب کچھ ان انفاس طیبہ کا نتیجہ تھا جو مسیح وقت نے آپ کے اندر پھونکے۔جس کا آپ نے ہمیشہ اعتراف کیا چنانچہ انگریزی اور اردو قرآن کے دیباچوں میں اس کا کھلا ذکر موجود ہے اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و روحانی اثرات آپ کے اندر اس قدر سرایت کر گئے کہ آپ کے وجود میں بھی مجددیت کا رنگ پیدا ہو گیا۔

1914ء میں حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مسیح موعود کی جماعت ایک ایسے گڑھے میں گرنے والی تھی جہاں اس کی اصل حیثیت اور مسیح موعودؑ کی صحیح پوزیشن بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جاتی،اس وقت آپ نے جماعت کی غالب اکثریت کی مخالفت اور طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرتے ہوئے ایک ایسی آواز اٹھائی جس کو دنیا نے حیرت سے سنا اور آپ کی ہمت وجرات پر آفرین کہے بغیر نہ رہ سکی وہ آواز یہ تھی کہ مسیح موعودؑ کا دعوے نبوت نہیں،آپ کو نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا،نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبین صلعم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا اجراء ناممکن ہے۔یہ آواز جو اس مرد خدا نے نہایت ہمت ودلیری کے ساتھ بلند کی،اس وقت اس آواز کو سننے والے بہت کم لوگ تھے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ آج نہیں تو کل یہ بھی جماعت کی اکثریت کے ساتھ مل جائیں گے جو فرزند مسیح موعود کے زیر قیادت قادیان اور اس کے تمام خزائن و املاک پر قابض ہو کر اجرائے نبوت اور تکفیر المسلمین کا اعلان کر چکے ہے۔حضرت مولانا کی آواز دن بدن بلند سے بلند ہوتی چلی گئی اور دنیا نے دیکھا کہ وہی چند لوگ جن کے متعلق ''ہم انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے'' کی پیشگوئیاں کی گئیں،طرح طرح کے الزامات اور ایذا رسانیوں سے انہیں ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی گئی وہ نہ صرف تعداد بلکہ خدمت دین کے کاموں میں بھی آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔اور وہ شخص جو قادیان سے ایک پیسہ لئے بغیر تنہا نکل آیا تھا،تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں انسانوں کی عقیدت وارادت کا مرکز بن گیا،اور کروڑوں روپیہ اس کے قدموں پر نثار ہونے لگا۔

جب قادیان کی اس انجمن نے جس کو مسیح موعود نے اپنی جانشین قرار دیا تھا خود اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے،اصول جمہوریت کو ختم کر کے ایک شخص کی آمرانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا تب حضرت مولانا محمد علیؒ نے حضرت مسیح موعود کی وصیت کو پھر تازہ کیا اور اس کے ماتحت احمدیہ انجمن لاہور کی بنیاد رکھی،اور مسیح موعود کے فرمان کے مطابق کثرت رائے کو اس کا بنیادی اصول قرار دیا۔اس انجمن نے پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں عظیم الشان کام کئے،حضرت مولانا کے تراجم قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی،بیرونی ممالک میں تبلیغی مشن قائم کئے،جامعات کی تعمیر کے ذریعہ سے اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایسا سنہری باب ہے جس کی نظیر تمام مذہبی دنیا میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی یہ کام اگرچہ ایک جماعت نے کیا لیکن

اس کا سہرا اس شخص کے سر ہے جس نے یہ جماعت بنائی اور غلو و تکفیر کی لعنت سے چھڑا کر اسے صحیح اصولوں پر کھڑا کیا ہر قسم کے طوفان سے اس کی ہستی کو فنا کرنے کیلئے پیش آئے وہ ان کو بچاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

وہ ایک بیدار مغز انسان تھے، عزم راسخ کے مالک اور یقین محکم کا پیکر تھے، ان کے ایمان و یقین کو دنیا کا بڑے سے بڑا حادثہ متزلزل نہ کر سکا۔ اس عزم راسخ کو کہ یورپ امریکہ میں دینی مشن قائم کئے جائیں، دینی لٹریچر اور تراجم قرآن دنیا میں پھیلائے جائیں بڑی سے بڑی مخالفت توڑ نہ سکی، یہاں تک کہ کئی موقعوں پر سخت ترین مالی مشکلات کی وجہ سے ان کاموں کا کرنا ناممکن ہو گیا، لیکن آپ کے عزم راسخ اور پیہم مساعی نے ان کو دور کر دیا یہ اس بیدار مغزی کا نتیجہ تھا جو مسیح موعود کی صحبت میں آپ کو حاصل ہوئی اور یہی بیدار مغزی، یہی عزم راسخ اور یقین و ایمان آپ نے جماعت کے اندر پیدا کیا اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ جس کام کو لے کر آپ اٹھے تھے اس کو تکمیل تک پہنچا کر کامیاب اس دنیا سے گئے، ایسی ہستیاں بہت کم دنیا میں پیدا ہوتی ہیں، بقول علامہ اقبال

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آج آپ سب سے یہ عرض کرنا ہے کہ خدا کے کاموں میں کوئی شریک نہیں، بڑے سے بڑا انسان دنیا سے گذر جاتا ہے خدا کے کام چلتے رہتے ہیں، جس کام کو لئے آپ کھڑے ہوئے تھے وہ صرف حضرت مولانا محمد علیؒ کا ہی نہ تھا، وہ خدا کا کام تھا اور ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کا ذمہ دار ہے، حضرت مسیح موعودؑ نے اور ان کے بعد مولانا محمد علیؒ نے جس انجمن کو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین قرار دیا وہ انجمن اب بھی موجود ہے اور بفضل الٰہی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کام کو چلا رہی ہے کسی قسم کی مایوسی کا شکار ہونے کی کوئی وجہ نہیں نہ وسوسوں پر کان دھرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ اس صحابیؓ کے قول کو پیش نظر رکھیں جس نے رسول اللہ صلعم کی شہادت کی غلط خبر سن کر بڑی جرات کے ساتھ کہا ''آؤ ہم بھی اس مقصد کے لئے لڑیں جس مقصد کے لئے حضرت نبی کریم صلعم لڑتے تھے'' آیئے ہم سب مولانا محمد علیؒ کے نقش قدم پر چلیں۔

☆☆☆☆

فہرست تصانیف

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

ذیل میں ان کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے جو مولانا محمد علیؒ نے ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک کے پچاس سالوں میں تصنیف فرمائیں۔ جن تصانیف کے نام کے ساتھ نشان ☆ دیا گیا ہے ان کے تراجم متعدد غیر ملکی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تراجم اتنی کثرت سے اور اتنے زیادہ ممالک میں ہوئے ہیں کہ ان کا مکمل ریکارڈ مہیا نہیں کیا جا سکتا۔

(الف) کتب

نمبر شمار	سال اشاعت	کتب
1	۱۹۱۲ء ☆	اسلام
2	۱۹۱۴ء	المصلح الموعود
3	۱۹۱۵ء	حدوثِ مادہ
4	۱۹۱۵ء	آیت اللہ
5	۱۹۱۵ء	عصمتِ انبیاء
6	۱۹۱۵ء	غلامی
7	۱۹۱۵ء	نکات القرآن حصہ اوّل
8	۱۹۱۵ء	نکات القرآن حصہ دوئم
9	۱۹۱۵ء	النبوت فی الاسلام
10	۱۹۱۶ء	نکات القرآن حصہ سوئم
11	۱۹۱۶ء	نکات القرآن حصہ چہارم
12	۱۹۱۷ء	جمع قرآن
13	۱۹۱۷ء	احمدِ مجتبےٰ
14	۱۹۱۷ء	انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن
15	(۱۹۱۸:	مسیح موعود
16	۱۹۱۹ء	مراۃ الحقیقت
17	۱۹۱۹ء ☆	سیرۃ خیر البشرؐ
18	۱۹۲۰ء	عیسویت کا آخری سہارا

بقیہ صفحہ 8

میرا قدسی نفس شوہر

از بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

مغربی اور مشرق پاکستان اور بیرونی ممالک سے جن بہنوں اور بھائیوں نے مجھ ناچیز کو پیغام ہمدردی بھیجے ہیں یا خود تشریف لاکر شریک غم ہوئے ہیں۔ ان سب کی میں تہ دل سے ممنوں ہوں۔ ہر خط میں حضرت امیر علیہ الرحمتہ کی اسلامی خدمات کو سراہا گیا ہے اور ان کی وفات کو دنیائے اسلام کے لئے نقصان عظیم ظاہر کیا ہے۔ بیشتر حصہ جماعت نے اس صدمہ کو ایسا ہی محسوس کیا گویا ان کا شفیق اور پیارا باپ دنیا سے اُٹھ گیا ہے اور وہ یتیم ہو گئے ہیں۔ ان کا یہ احساس اور بعض بزرگانِ سلسلہ کے خواب وکشف میرے لئے نہایت تسکین کا موجب ہوئے۔

جزاهم الله احسن الجزاء۔

ایک ایسے رفیق حیات کا بچھڑ جانا جو افکار دنیا میں ہی نہیں بلکہ دینی معاملات میں بھی رہنما ہو۔ جس کے کلمات طیبہ مشعل ہدایت اور روح کی غذا ہوں۔ جس کی معیت پُر خطر سے پُر خطر راہ میں سلامتی کی ضامن ہو اور جس کا دل غم والم کی چٹانوں کو پاش پاش کردے ایسے قدسی نفس شوہر سے جدا ہونے پر جس قدر صدمہ ہو کم ہے۔ ’’اے میرے رب تو میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دے کہ دل لگانے کے قابل تیری حی وقیوم ذات واحد ہی ہے اور اے غفور الرحیم تو اپنے برگزیدہ بندے محمد علی کو اعلیٰ اعلیین میں جگہ دے کہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ بھی تیرے نام کو بلند کرنے کی سعی میں بسر ہو۔ اور بالآخر جس نے تیرے قرآن کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

30اپریل1910ء کو میری شادی ہوئی۔ اکتالیس سال پانچ ماہ اور بارہ دنوں میں میں نے اس مقدس انسان کو بہت قریب سے دیکھا اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ گذرا کہ یہ شخص ریا کار یا غلطی پر ہو سکتا ہے۔ دن بدن اس کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی۔ ایک بہن نے فرمائش کی ہے کہ حضور مغفور کی گھریلو زندگی کے متعلق کچھ بتاؤں۔ میں نے ان کو یہی جواب دیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو پڑھ لیجئے۔ وہ فنافی الرسول کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

آپ نے حقوق اللہ وحقوق العباد کو جس حسن وخوبی سے پہلو بہ پہلو نباہا وہ کسی معمولی انسان کے لئے ناممکن ہے۔ تعلق باللہ کی یہ حالت تھی کہ جوانی سے رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گذرتا تھا۔ بہت کم سوتے تھے۔ عبادت کے علاوہ رات کو تصنیف کا کام بھی کرتے تھے کہ دن میں بیشمار دیگر نوعی کام کرنے ہوتے تھے۔ پنج وقتہ عبادت کے اوقات میں بھی وہ سب سے بیگانہ ہو جاتے تھے۔ اکثر یہ ہوتا کہ ابھی کام سے فارغ ہو کر بچوں میں آکر بیٹھے ہیں کہ اذان کی آواز کان میں پڑی فوراً سب کو چھوڑ چھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد کا رُخ کیا گویا کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ دنیاوی تعلقات میں بھی کسی کو کبھی بدسلوکی کی شکایت نہ ہوئی۔ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے۔ اپنی جماعت سے اس قدر پیار تھا کہ جب ذکر کرتے تو محبت کی سُرخی سے چہرہ تمتما جاتا تھا۔ اپنے دوستوں کا ذکر نہایت احترام سے کرتے اور کوئی ایسی حرکت پسند نہ فرماتے جس سے جماعت کے وقار کو دھکا لگے۔ اس کی دینی و دنیاوی ترقی و بہبودی کے لئے بارگاہ ایزدی میں تا مرگ سربسجود رہے۔ تمام دنیائے اسلام کے لئے ان کی شفقت اور محبت وسیع تھی۔ مخلوق خدا کی بہبودی کا ہی جذبہ تھا کہ تمام دنیا کو نور ہدایت یعنی قرآن کریم کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لئے بیقرار رہتے تھے اور اس کے لئے تجاویز سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہمیشہ تن من دھن سے کوشاں رہے۔ اس راہ میں مشکلات ومصائب کے طوفان ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکے۔ جو قدم راہ حق میں آگے بڑھا وہ پیچھے نہ ہٹا۔ کوئی کام ایسا نہ کیا جس پر پچھتانا پڑا ہو۔ ان کے بلند عزائم کے سامنے مخالفت کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ وہ ہر انسان کے ہاتھ میں قرآن مجید کا ایک نسخہ دینا چاہتے تھے اور دنیا کے کونے کونے میں سیرت نبی کریم صلعم کو پھیلانا چاہتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ یہ پاک تعلیم خود دلوں میں گھر کرلے گی۔

خداوند کریم نے ان کے ہر ایک کام کو بے نظیر مقبولیت عطا کی جس کی مثال اس زمانے میں ملنی مشکل ہے۔ چاردانگ عالم میں آپ کی بیش بہا تصانیف نے اسلام کا ڈنکا بجا دیا اور ہر انصاف پسند کا سر ان کی عظمت کے سامنے جھک گیا۔ مگر خود

اس یگانہ روزگار ہستی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی غرور سے سر بلند نہ ہوا۔ وہ اپنے حجرے میں گوشہ نشین ہو کر دن رات کام میں مشغول رہے۔ ایک معزز انگریزی اخبار نے آپ کے متعلق کیا خوب لکھا ہے کہ ''وہ شخص جس کا نام تمام دنیا میں مشہور تھا مگر اس کے وجود کو بہت کم لوگ جانتے تھے'' وہ کئی بار ہم سے کہہ چکے تھے کہ:

''میں اپنے رب کے پاس جانے کو تیار ہوں
اور میرے لئے یہ عین راحت ہے''

مگر ہم اپنی اس عزیز متاع کو اتنی جلدی کھو دینے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہ تھے۔ آہ! ابھی دنیا ان کے علم و فضل کی پیاسی تھی اور عالم اسلام ان کی راہنمائی کا محتاج تھا کہ مشیّتِ الٰہی نے ایسے نازک وقت میں ان کو واپس بُلا لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بہت شوق سے سُن رہا تھا زمانہ
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ایسی محبوب و نادر روزگار ہستی کو گنوا کر جو غم والم ہمارے دلوں پر طاری ہے اس میں صرف ایک خیال سے ہی تسکین ملتی ہے وہ یہ کہ آپ کا کام جو دراصل آپ کے مرشد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کام ہے جنہوں نے آپ کو اس اہل بنایا۔ ہمارے لئے ایک مقدس یادگار ہے۔ اس کی نگہداشت اور ترقی ہی ہمارے معصوم دلوں کو پھر راحت بخش سکتی ہے۔ حضرت مرحوم و مغفور نے خدا کی راہ میں نثار ہو کر زندگی جاوید حاصل کی اور ہمارے لئے نمونہ چھوڑ گئے کہ اگر انسان نیک نیتی سے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرتا ہے۔

جماعت کے بزرگوں، نوجوانوں اور خواتین سے میری درمندانہ درخواست ہے کہ وہ اس پاکیزہ ورثے کو سنبھالیں۔ اب تک ہم بے فکر تھے۔ ہمارا بوجھ اس مرد مجاہد نے اُٹھایا ہوا تھا۔ اور اس کی فراست مومنانہ ہر قدم پر ہماری رہبر تھی۔ اس کو یقین محکم تھا کہ اسلام غالب ہو گا اور یہی ایمان وہ ہمارے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر اب یہ بوجھ ہمارے ناتوان کاندھوں پر آپڑا ہے۔ آیئے ہم اسی ہمت و عزم کو سامنے رکھ کر سچے دل سے یہ عہد کریں کہ علائے کلمۃ اللہ کا کام محض للہ کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس مرد مومن کی اس نشانی کو باد مخالفت کے جھونکوں سے بچا کر سرسبز و شاداب رکھے گا۔ اور احمدی جماعت اور پیارے روحانی باپ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ڈالے ہوئے راستے پر ہمیشہ گامزن رہے گی۔

بقیہ فہرست تصانیف

19	۱۹۲۱ء ☆	Muhammad and Chrisat
20	۱۹۲۲ء	حقیقتِ اختلاف
21	۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء	بیان القرآن سہ جلد
22	۱۹۲۳ء ☆	Muhammad the Prophet
23	۱۹۲۴ء	تاریخ خلافتِ راشدہ
24	۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۷ء	فضل الباری، جلد اوّل دوم
25	۱۹۲۷ء	انگریزی ترجمہ قرآن (بلامتن)
26	۱۹۲۹ء ☆	The Islamis Institution of Prayer
27	۱۹۲۹ء ☆	محمد مصطفٰے
28	۱۹۲۹ء ☆	مقام حدیث
29	۱۹۳۰ء	حمائل شریف اردو
30	۱۹۳۰ء	مقدمۃ القرآن (ہستی باری تعالیٰ)
31	۱۹۳۰ء	تحریک احمدیت
32	۱۹۳۱ء ☆	Early Caliphate
33	۱۹۳۱ء	بابی مذہب
34	۱۹۳۱ء	المسیح الدجال و یاجوج و ماجوج
35	۱۹۳۲ء ☆	Muhammad the Prophet (نظر ثانی)
36	۱۹۳۲ء	مقام حدیث (نظر ثانی)
37	۱۹۳۲ء	Introduction to Hadith
38	۱۹۳۳ء	Selectin from the Holy Quran
39	۱۹۳۴ء ☆	Collection and Arrangement the Holy Quran

(بقیہ صفحہ نمبر 11)

شیخ عبدالحق مرحوم ومغفور۔ کراچی

مجدّدِ احمدیت حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی چند دینی خدمات

حضرت علامہ حکیم الامت مولانا مولوی نورالدین اعظم کی وفات حسرت آیات کے بعد جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ اعلان کیا کہ حضرت مجدد الوقت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو بحیثیت نبی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر بمعنی خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ کیوں کہ دونوں عقیدے خلاف کتاب اللہ تھے اس لئے حضرت مولانا محمد علیؒ نے فی الفور جماعت قادیان سے علیحدگی کا اعلان فرما دیا۔

اس علیحدگی کے اعلان پر جناب مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار ''الہلال'' میں جو ان دنوں کلکتہ سے شائع ہوتا تھا، ذیل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

''اس عرصہ میں اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں ہوگئی ہیں ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں۔ گو وہ مرزا صاحب کے دعویٰ پر ایمان نہ لائیں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔''

آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود ہیں۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا مولوی محمد علیؒ نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے، فی الحقیقت یہ ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔''

(''الہلال'' 25 مارچ 1914ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کی اس صاف گوئی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ایک لحہ کے لئے بھی حضرت مجدد الوقت کو نہ کبھی نبی مانا اور نہ سمجھا تھا اور نہ ہی تکفیر کرنے والوں سے مصالحت کو جائز قرار دیا۔ قادیان میں بڑی تیزی کے ساتھ حالات بگڑ چکے تھے اسی لئے حضرت مولانا کو لاہور آنا پڑا۔

2- حضرت مولانا کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا خدمت اسلام تھا اور بیعت اخوّت میں بھی انہوں نے حضرت مجدّد الوقت کے ہاتھ پر یہ اقرار کیا ہوا تھا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ اس لئے لاہور آ کر خدمت وحفاظت اسلام کی خاطر سب سے پہلا کام جو آپ نے سرانجام دیا ''وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' کا قیام تھا۔

میاں محمود صاحب نے بحیثیت خلیفہ قادیان ''انکار ختم نبوت'' پر گمراہ کن پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور اسی سلسلہ میں آپ نے ایک کتاب جس کا نام ''حقیقۃ النبوۃ'' رکھا اس میں انکار ختم نبوت کے ساتھ ساتھ ''اجرائے نبوت'' کے ثبوت میں وہ دلائل لکھے جو بالعموم اہل بہا جناب بہاء اللہ کو مظہر اللہ ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ گو حضرت مولانا ان دنوں انگریزی تفسیر قرآن مجید کے پروف پڑھنے میں سخت مصروف تھے۔ پھر بھی انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے وقت نکال ہی لیا اور آپ نے ایک ضخیم کتاب موسومہ ''النبوۃ فی الاسلام'' جس میں قرآن کریم، احادیث رسول اللہ ﷺ اور اقوال ائمہ دین، نیز حضرت مسیح موعود کی تحریرات کی روشنی میں ''اجرائے نبوت کی تردید میں اور ختم نبوت کے ثبوت میں'' ایسے زبردست مدلّل جوابات تحریر فرمائے کہ باوجود اس کے کہ اس کتاب کو شائع ہوئے تقریباً نوے سال گزر چکے ہیں، مگر جناب خلیفہ قادیان یا دیگر کسی قادیانی عالم کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔

اس معرکۃ الآراء کتاب نے جہاں قادیانی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا، وہیں ''ختم نبوت'' کو مکمل طور پر ثابت کرنے کے لئے علمائے اسلام کے غور کرنے کے لئے اس نظریہ کو بھی پیش کیا کہ جب قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی گواہی تو یوں مندرج ہے کہ ان کے بعد نبی آخر الزماں کا ظہور ہوگا اور حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے آپ کو اسی گواہی کا مصداق قرار دے کر ''آخری نبی'' اور ''آخری شریعت'' لانے والے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ یعنی حضور نے تمام امور نبوت کو اپنی ذات ستودہ صفات پر ختم کر دیا ہے تو پھر اس آخری نبی کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے حقیقی نزول کی کیا ضرورت باقی ہے؟ اور پھر مجدد الزماں نے بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت کر دیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔

3۔حضرت مولانا کو اس بات کا بہت احساس تھا اور حقیقتاً یہ احساس حضرت مجدّد الوقت کا پیدا کردہ تھا کہ چودہ سو سال سے اسلامی لٹریچر کا خزانہ اور سرمایہ نیز قرآن کریم کا مغربی زبان میں ترجمہ اور تفسیر لکھ کر ان اعلیٰ درجہ کے اصولوں اور ابدی صداقتوں سے جن کے جان لینے کے بعد روحانیت سے نابلد اور دکھی دنیا اطمینان اور سکون حاصل کر سکتی تھی کیوں کر آج تک کسی مسلم اسکالر نے اس فرض کو سرانجام نہیں دیا، اس لئے سب سے پہلے آپ نے اس خلا کو پُر کیا۔

اس مقصد کو حضرت مولانا نے کس حد تک پورا کیا اور اللہ تعالیٰ نے کس حد تک اپنی تائید اور نصرت کو مولانا کی ذات کے ساتھ قائم رکھا۔مختصراً اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا نے نہ صرف اسلامی لٹریچر کے قیمتی سرمایہ کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا بلکہ قرآن مجید کی متعدد زبانوں میں تفسیر اور ترجمہ کر کے شہرت دوام کو بھی حاصل کر لیا ہے۔

اس وقت تک یہ تفسیر قرآن مجید لاکھوں کی تعداد میں متعدد ایڈیشنوں کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ چکی ہے۔اس کی مانگ اس قدر زیادہ ہے کہ احمدیہ انجمن لاہور سب فرمائشوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہے۔یہی حال حضرت کی دیگر تصانیف کا ہے۔(1) سیرت خیر البشر (2) تاریخ خلافت راشدہ (3) مقام حدیث (4) دین اسلام جیسی کتابوں کو بلاد اسلام بالخصوص مصر میں بعض کا عربی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور ہزارہا عالم و فاضل، ڈاکٹر، فلاسفر برطانیہ کے شاہی خاندان کے رکن سر آرچی بالٹ ہملٹن فوجی افسر، لارڈ ہیڈلے اور علامہ محمد پکتھال مفسر و مترجم قرآن کریم بھی اسی لٹریچر کو پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے۔

4۔اس لٹریچر کے متعلق مہاتما گاندھی کی گواہی

اس موقعہ پر مسئلہ جہاد کی وضاحت کے لئے مجھے مہاتما گاندھی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میں نے ان کو اس مسئلہ پر مطمئن کر دیا۔میں نے اس ملاقات کی تفصیل لاہور حضرت مولانا ممدوح کو لکھی۔حضرت نے مرکزی انجمن کے ذریعہ اسی قرآن کریم کی کاپی بھجوا کر مجھے ہدایت فرمائی کہ میں خود جا کر مناسب الفاظ کے ساتھ اس ''تحفہ'' کو ان کی خدمت میں پیش کروں۔اس سلسلہ میں جب دوبارہ مجھے ملاقات کا موقع ملا تو میں نے اس مقدّس تفسیر کو حضرت مولانا کی طرف سے پیش کیا۔مہاتما گاندھی نے جب مفسر قرآن کا نام پڑھا، یقین فرمایئے آپ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑی دیر تک مہاتما جی حضرت امیر مرحوم کی تعریف فرماتے رہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اسلام کے ساتھ عقیدت اور صحابہ کرام کے تقدّس اور تقویٰ کا علم ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کے ذریعہ ہوا۔میں حیران ہوا کہ وہ کون سے ڈاکٹر ہیں جن کا مہاتما گاندھی پر اس قدر اثر ہے۔جب میں دوران گفتگو ڈاکٹر کے متعلق دریافت کیا تو مہاتما جی نے فرمایا کہ یہی وہ ڈاکٹر ہیں جس سے مجھے علم ہوا کہ جہاں کہیں بھی مہاتما گاندھی نے دین حق کے سلسلہ میں ڈاکٹر کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ان سے مراد حضرت مولانا محمد علی صاحب ہیں۔

حضرت مولانا کی سیاسی خدمات

جون1913ء میں کانپور میں ایک سڑک زیر تعمیر تھی، رستہ میں ایک مسجد تھی، انگریزوں نے سڑک کو سیدھا کرنے کے لئے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے مسجد کے ایک حصہ کو گرا دیا جس کے نتیجہ میں بیسیوں برادران دین حق نے جام شہادت نوش فرمایا اور سینکڑوں کو قید کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان ایک کہرام مچ گیا۔حضرت مولانا کی مذہبی حِس نے ان کو مجبور کر دیا۔آپ نے ''انہدام مساجد'' کے موضوع پر ایک زبردست مضمون شائع کیا جس میں ثابت کیا گیا کہ حکومت انگریز نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر مذہب اسلام میں مداخلت کی ہے۔یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریز تو درکنار اس کے کسی نوکر کیخلاف بڑے سے بڑا مسلمان بھی بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔اودھ کے گورنر مسٹر جیمز مٹلن نے اس کا جواب دیا جو درحقیقت عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق تھا۔

خلافتِ عثمانیہ

اللہ تعالیٰ نے ترکوں کو ایک عظیم الشان سلطنت کا وارث بنایا تھا جس کا رقبہ 1914ء میں بھی یورپ، ایشیا اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔موجودہ جملہ عرب ممالک ان ایام میں سلطنت ترکی کے ماتحت تھے۔پہلی عالمی جنگ میں انگریزوں نے عرب ممالک سے بغاوت کرا کر خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے۔اگر آج سب عرب ممالک ترکوں کی ہی ماتحتی میں رہتے تو یہ اسرائیلی ناسور جس نے

درحقیقت آج اسلامی ممالک کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، کبھی پیدا نہ ہو سکتا تھا مگر خود کردہ را علاج نیست۔

اس وقت بھی ایک سچے مسلمان کی طرح حضرت مولانا کا دل ایسے حالات پر سخت مضطرب ہوا اور انہوں نے بحیثیت ایک سربراہ جماعت احمدیہ ایک زبردست مضمون ''خلافت عثمانیہ'' کے عنوان سے لکھ کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرایا جس میں سلطنت ترکی کی اہمیت کو بوجہ خلیفہ اسلام اور حکومت انگریز کے جھوٹے وعدوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

7- مسلم لیگ اور مولوی ظفر علی صاحب

مرکزی اسمبلی میں ایک جگہ خالی ہوئی تھی، مسلمانوں نے جناب مولوی ظفر علی خاں کو مسلم لیگ کی طرف سے نامزد کیا۔ گو مقابلہ میں بھی کانگریس کی طرف سے جناب میاں عبدالعزیز صاحب بھی مسلمان تھے کیونکہ مقابلہ درحقیقت مسلمان کی زندگی اور حقوق کا تھا اس لئے حضرت مولانا نے احمدیوں کو اپیل کی کہ اس بات کو دل سے نکال دو کہ دونوں انسان کون ہیں۔ جناب میاں عبدالعزیز صاحب تو کانگریس کی حمایت میں ہی ووٹ دیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی رائے کو ہندو مہا سبھا کی قربان گاہ پر چڑھا دے گا اور دوسرا چونکہ (مولانا ظفر علی خاں) مسلمانوں کے حقوق کا انگریز اور ہندو سے مطالبہ کرے گا اس لئے ہم سب کو مل کر مسلم لیگ کو کامیاب بنانا چاہئے۔ اسی ذیل میں اخبار ''نوائے وقت'' نے بھی ایک نوٹ لکھا ہے وہ یہ ہے:-

''انگریزی ہفتگی ''لائٹ'' احمدیہ انجمن لاہور کا ذمہ دار جریدہ ہے۔ اس اخبار کو یہ غیر فانی شہرت حاصل ہے کہ اس کے کالموں میں مسلم لیگ کی تنظیم جدید کے دور آغاز میں ہی یونینسٹ پارٹی کے مقابلہ پر مسلم لیگ کی بھرپور حمایت ہوتی رہتی ہے۔'' (نوائے وقت 25 اگست 1971ء)

☆☆☆☆

بقیہ فہرست تصانیف

40	۱۹۳۵ء	☆	The Religion of Islam
41	۱۹۳۶ء	☆	Introdution to the Study Holy Quran
42	۱۹۳۷ء	☆	Founder of Ahmadiyya Movement
43	۱۹۳۹ء	☆	The Muslim Prayer book
44	۱۹۴۱ء	☆	Manual of Hadith
45	۱۹۴۳ء	☆	نیا نظام عالم
46	۱۹۴۴ء	☆	The New world order
47	۱۹۴۴ء		المصلح الموعود (نظر ثانی)
48	۱۹۴۶ء		History of the Prophet
49	۱۹۴۷ء	☆	Living thoughts of prophet Muhammad
50	۱۹۴۸ء	☆	Prayer of the Holy Quran
51	۱۹۴۸ء	☆	زندہ نبی کی زندہ تعلیم
52	۱۹۴۸ء	☆	احادیث العمل
53	۱۹۴۸ء		پنجسورہ شریف (عربی متن، رومن، انگریزی ترجمہ
54	۱۹۴۹ء		انگریزی ترجمہ المسیح الدجال و یاجوج ماجوج
55	۱۹۵۱ء		انگریزی ترجمہ قرآن چوتھی ایڈیشن (نظر ثانی کے بعد)

(ب) ٹریکٹ، رسالجات وغیرہ

جگہ کی کمی کی وجہ سے تمام نام پیش نہیں کئے جا سکتے۔ رسالجات اور پمفلٹس کی کل تعداد 90 کے قریب ہے۔

+++

میاں فخرالدین احمد صاحب مرحوم ومغفور، راولپنڈی

بیاد حضرت پروفیسر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم ومغفور

''ہمارے رب ہماری مغفرت کر اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے جو ایمان لائے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو مہربان، رحم کرنے والا ہے''۔ (الحشر ۵۹: ۱۰)

سالانہ اجتماع کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ہے کہ اس موقع پر ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کے لئے جو دوران سال وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی بلندی درجات کے لئے التجا کریں۔ ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ہمارے امیر مرحوم حضرت پروفیسر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب چھ سال کے جماعت احمدیہ لاہور کی رہنمائی کرنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ ''بے شک ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

ہمارا سالانہ دعائیہ اجتماع اس انتہائی شریف النفس کی محبت اور معرفت بھری پندونصائح سے محروم رہا۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم کا تعلق امرتسر کے ایک معزز کشمیری خاندان سے تھا۔ اس خاندان سے بڑی بڑی ہستیاں برصغیر پاک و ہند میں اپنی روشن یادیں چھوڑ گئیں ہیں۔ سیاسی تاریخ میں جناب سیف الدین کچلو جو کانگریس کے صدر تھے۔ تحریک احمدیت پر اس شہر کے کئی سپوت اپنی چمک دکھلا گئے۔ محترم میاں عزیز اللہ وکیل جنہوں نے مولوی کرم الدین بھین والے کے مقدمہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے وکیل صفائی کی خدمت انجام دی۔ ان کے قابل اور لائق فرزند میاں بشیر احمد منٹو ایم۔اے مبلغ اسلام ٹراونکور۔ امریکہ اور نائیجریا ہمارے مرحوم امیر کے خاندان سے تھے۔ سلسلہ کے عالم بے بدل علامہ عبدالحق ودریارتھی فاضل سنسکرت وعبرانی اور شیخ غلام قادر ڈار صاحب ٹیلیگراف انسپکٹر، ریلوے کا تعلق بھی امرتسر سے تھا۔ مرحوم حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کے والد محترم ایک ذمہ دار پولیس آفیسر تھے۔ ثانوی تعلیم مرحوم کی امرتسر ہی میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں سے ایم۔اے کی ڈگری لی۔ آپ کی تعلیمی قابلیت کی بناء پر آپ کو انجینئرنگ کالج مغلپورہ میں ریاضی کا لیکچرار مقرر کیا گیا۔ یہیں سے آپ مزید تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے اور ایڈنبرا یونیوسٹی سے پی۔ ایچ۔ڈی کیا۔ جب انجینئرنگ کالج کو یونیورسٹی بنا دیا گیا تو آپ شعبہ ریاضی کے Dean مقرر کئے گئے۔ اس منصب پر آپ ۱۹۷۹ء تک فائز رہے جس سال آپ کی ریٹائرمنٹ ہوئی۔

ملازمت کے دوران آپ نے دینی مطالعہ جاری رکھا۔ سلسلہ کے پیدا کردہ لٹریچر پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ خدمت دین بجالانے کا جذبہ آپ میں بڑھتا گیا۔ قیام پاکستان سے قبل ایک خطبہ جمعہ میں حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ یورپین زبانیں سیکھیں تاکہ ہمیں ان ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے سہولت میسر آئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے روسی زبان سیکھنے کا عزم کیا اور کچھ عرصہ زبان سیکھنے کی کوشش بھی کی۔ ان دنوں انگریز حکومت ملک میں روسی اثر و نفوذ پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ اس لئے مرحوم زیادہ عرصہ اس بارے میں آگے نہ بڑھ سکے۔ خدا کے فضل و کرم سے جماعت کے تین امیر حج بیت اللہ کی سعادت پانے والے ہیں۔

حضرت مولانا صدر الدینؒ، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحبؒ اور حضرت پروفیسر ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ مرحوم کی زندگیاں مرد مومن کی زندگی تھی۔ سلسلہ سے آپ کو بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ طبیعت میں حلم، انکساری اور بردباری تھی۔ آپ تہجد گزار تھے۔ پنجگانہ نمازیں با جماعت ادا کرنے والے یہ بزرگ نام و نمود سے دور رہتے تھے۔ آپ جامع دارالسلام میں قرآن کریم کا درس دیتے رہے۔ نماز جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ بیرون ملک سے تبلیغی کلاس میں شرکت کے لئے آنے والے نوجوانوں کو آپ قرآن کریم اور سلسلہ کی کتابیں بھی پڑھاتے رہے۔ اخبار لائٹ کے لئے بصیرت افروز مضامین بھی لکھتے رہے۔

آپ محترم میاں رحیم بخش صاحب کلکٹر سنٹرل ایکسائز کے داماد تھے۔ آپ کی اہلیہ اور اولاد احمدیت کے شیدائی رہے۔ اہلیہ اور جواں سال بیٹے ڈاکٹر آصف حمید کی وفات پر آپ نے استقامت اور رضا بالقضاء کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ ڈاکٹر آصف حمید صاحب نے فوج میں ملازمت اختیار کی۔ اور آپ سیاچین میں بھی تعینات رہے۔ خرابی صحت کی بناء پر آپ وہاں زیادہ عرصہ نہ رہ سکے۔ صحت بحال ہوئی تو دارالسلام کی ڈسپنسری میں میڈیکل آفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ مریضوں سے شفقت اور حسن سلوک نے شفاخانہ کی شہرت اور افادیت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم چاشت کے قریب گھر سے نکلتے۔ قریب سے گھر کا سودا سلف خود خریدتے۔ آتے جاتے دوستوں سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ بستی کے بیمار احباب کی عیادت کرتے۔ مرکزی لائبریری میں تشریف لاتے۔ مطالعہ کا آپ کا شوق برقرار رہا۔ رفیقہ حیات کی مفارقت اور جواں سال لائق فرزند کی اچانک موت آپ کی طمانیت قلبی اور خدمات دینیہ کے معمول پر اثر انداز نہ ہوئے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے محبوں کے بارے میں کہا ہے:

گلے کہ روئے خزاں را گہے نخواہد دید
بباغ ماست اگر قسمت رسا باشد

(اگر سدا بہار عطر بیز پھولوں کی تلاش ہو تو میری جماعت کے علماء اور فضلاء میں تلاش کرو)۔

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی مومنانہ صفات اخلاق حسنہ اور مومنانہ زندگی بیان کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اشعار کافی ہیں۔

وہ کام کر کہ عمر خوشی سے کٹے تیری
وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
جس جا پہ تیرا ذکر ہو بس ذکر خیر ہو
اور نام تیرا ایسی تو ادب سے لیا کریں

میں نے حضرت امیر مرحوم کی تاریخ وفات کے مادہ پر غور کیا تو یہ الفاظ ذہن میں آئے: ''پس۔ اصغر حمید'' ۱۴۳۳ھ۔

☆☆☆☆

وفات حسرت آیات

سرینام

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ سرینام میں بیگم حاجی عبدل صاحبہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

فجی:

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ عبدالکلام صاحب ولد مولوی عبدالعزیز صاحب برادر عبدل نسیم صاحب فجی میں انتقال فرما گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ محمد حنیف خان صاحب برادر محمد جمیر خان صاحب فجی میں انتقال فرما گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

پاکستان لاہور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ صوفی نذر محمد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

چند یادیں

پروفیسر اعجاز احمد سیال صاحب

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم و مغفور

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم و مغفور ۱۳،۱۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء کی رات اپنی آخری منزل کی طرف رواں ہوئے: ''ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا۔

غالباً حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کی وفات بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی۔ قدرت الٰہی کا ایک اور حسن اتفاق کہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب اور حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تاریخ وفات بھی ایک ہے یعنی ۱۵ نومبر۔

ایک قابل غور بات ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کا روحانی مقام نہایت بلند تھا اور ان بزرگوں کی روحانیت کو خدا تعالیٰ نے بلند کرنے کے لئے ان کے امیر بننے سے پہلے انہیں مختلف انداز میں آزمایا۔ حضرت علامہ حکیم مولانا نور الدین صاحب، حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت مولانا صد رالدین صاحب، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کو تقویٰ اور بصیرت میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے درجات کی بلندی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۹۷۴ء میں آزمایا۔ نہ صرف گھر بار اور کلینک جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا بلکہ روزگار اور اپنا شہر بھی چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی لیکن پھر بھی نہ کبھی کوئی گلہ کیا نہ شکوہ۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی بلندی درجات کے لئے بھی آزمائش ہوئی۔ انہیں بھی ۱۹۷۴ء میں ابتلا سے گزرنا پڑا۔ گھر پر حملہ ہوا، کار جلادی گئی، ریٹائر ہونے پر دارالسلام چلے آئے۔ یہاں پہلے آپ کے جواں سال بیٹے کیپٹن ڈاکٹر آصف حمید کی اچانک وفات کا صدمہ پیش آیا اور کچھ ہی عرصہ بعد حضرت امیر مرحوم کی بیگم صاحبہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ گھر کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا لیکن آپ نے کمال صبر و تحمل کا نمونہ دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے راقم کی واقفیت اس وقت سے ہے جب آپ ریٹائر ہونے کے بعد دارالسلام میں رہائش پذیر ہوئے۔ اس وقت راقم ایف سی کالج کا طالب علم تھا۔ آپ نمازوں کے لئے نہایت باقاعدگی سے جامع میں تشریف لاتے تھے۔ اس لئے آپ سے روزانہ ملاقات ہو جاتی۔ پھر آپ کے دو بیٹوں آصف حمید مرحوم اور عاصم حمید سے ہم بھائیوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی گئی۔

آپ کے پاس ایک موٹر سائیکل تھی جس پر آپ آصف حمید کو سکول بھی چھوڑ کر آتے۔ ہم نوجوانوں کو جب کبھی بھی موٹر سائیکل کی ضرورت پڑتی تو آپ سے مانگ لیتے۔ آپ نے کبھی بھی انکار نہیں کیا لیکن آپ کیونکہ انتہائی بااصول آدمی تھے۔ اس لئے یہ ضرور پوچھتے کہ لائسنس ہے لیکن کبھی چیک نہیں کیا۔

آپ ریاضی کے استاد تھے جبکہ راقم شماریات کا طالب علم تھا۔ راقم کو شماریات کے مضمون میں مشکل پیش آنے لگی۔ آپ سے ذکر کیا تو آپ نے نہایت محبت سے پڑھانا شروع کر دیا۔ راقم سے زیادہ آپ فکر کرتے۔ اگر کبھی غیر حاضر ہوتا تو دوسرے دن غیر حاضر رہنے کی وجہ پوچھتے۔ اسی طرح جماعت کے بعض اور طلباء بھی آپ سے مدد لیتے۔ بعض اوقات آپ جامع میں ہی بیٹھ کر مضمون کے بارے میں رہنمائی فرماتے۔

آپ کی صحت اچھی تھی، آپ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چھوٹے موٹے اپنے کام خود کرتے۔ یہاں تک کہ گھر کے کام کاج میں بھی آپ کافی ہاتھ بٹاتے۔ گھر کا سودا سلف خود پیدل جا کر دوکان سے خرید لاتے۔ بڑے بڑے دو تھیلے آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے۔ اگر کبھی درخواست بھی کی تو ہنس کے شکریہ ادا کیا۔ جب آپ کو جماعت کا امیر منتخب کیا تو بھی آپ کا یہی معمول رہا۔ ہم نوجوانوں نے آپس میں میٹنگ کر کے فیصلہ کیا کہ حضرت امیر کے سودا سلف لانے اور دیگر کاموں میں معاونت کریں گے لیکن عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو

آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ میرا کام ہے، اس لئے مجھے ہی کرنا چاہیے۔ ہمارے مخلص بھائی انور علی مرحوم و مغفور جو کہ ہماری جماعت میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔ اس بات سے بہت متاثر ہوئے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات سنے تو تھے لیکن یہاں اپنی آنکھ سے سربراہ جماعت کو اس سنت پر عمل پیرا ہوتے دیکھا۔

آپ اپنے گھر کے ملازمین کے ساتھ نہایت ہمدردانہ اور شفقت سے بھرا ہوا رویہ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ملازمین آپ سے خوش رہتے۔

آپ ان سے ہلکا پھلکا مزاح بھی فرما لیتے۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو جماعت کے پرانے قبرستان میانی صاحب میں آپ کی والدہ کے قدموں میں دفنایا جائے لیکن آپ چونکہ دوسروں کی خواہش کا احترام کرتے تھے اس لئے جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے بیٹے عاصم حمید کا اصرار ہے کہ دارالسلام کے قبرستان میں آپ کو دفنایا جائے تو آپ نے اس کی بات مان لی اور اجازت دے دی کہ دارالسلام میں ہی انہیں دفنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو ایک خاص قسم کا رعب عطا کرتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے کچھ ایسی ہی شخصیت عنایت کی تھی کہ اپنوں اور غیروں میں آپ کا بے حد احترام اور عزت تھی۔ آپ کے شاگرد بھی آپ کی دل سے عزت کرتے بلکہ آپ کے یونیورسٹی کے بعض رفقاء تو آپ کو فرشتہ کہتے تھے۔ آپ انجینئرنگ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں میں رہے۔ ہمیشہ ایک ایک پائی کا حساب رکھا۔ آپ نے احمدیت کبھی نہیں چھپائی۔ اس طرح سے آپ چلتے پھرتے احمدیت کا نمونہ تھے۔ ۱۹۷۴ء میں جب سارے ملک میں احمدیوں کے خلاف تحریک چلی تو آپ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے اندر کالونی میں رہتے تھے۔ طلباء کا ایک جلوس آپ کے گھر بھی بلوہ کے ارادہ سے آگیا۔ آپ گھر میں موجود تھے، مشتعل جلوس نے آپ کی کار کو نقصان پہنچایا۔ پھر آپ کے گھر میں توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آپ کمال بہادری سے باہر اس مشتعل ہجوم میں نکلے اور طلباء کے لیڈر کو پکارا کہ کیا بات ہے۔ وہ آپ کا شاگرد بھی تھا۔ آپ کا ایسا رعب اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ مزید توڑ پھوڑ کئے بغیر جلوس لے کر واپس چلا گیا۔ اور جب دوسرے دن وہی طالب علم لیڈر آپ سے ریاضی کا مسئلہ سمجھنے آیا تو آپ نے کمال ظرف سے بغیر کسی گذشتہ ذکر کے اس کی رہنمائی کی۔ آپ نہ صرف خود عالم تھے بلکہ علم دوست بھی تھے۔ آپ دین کو بھی سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی تھے اور تحقیق کر کے بات کی تہہ تک پہنچتے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے کہنے پر آپ نے دارالسلام میں مغرب کی نماز کے بعد مختصر تفسیر کے ساتھ درس قرآن دینا شروع کیا۔ دارالسلام کی جامع میں نصیر احمد فاروقی صاحب کی علالت کے دوران کئی ماہ تک جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ آپ کا خطاب نہایت سادہ مگر علمی ہوتا تھا۔ دوسروں کی تقریریں اور خطبے بھی بڑے انہماک سے سنتے اور بعض اوقات بڑے باریک نقطہ کی طرف توجہ دلاتے۔ ایک دفعہ کسی خطیب نے آپ کا ذکر امیر قوم کہہ کر کیا تو بعد میں آپ نے فرمایا کہ قوم تو ہماری پاکستانی ہے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور کہنا بہتر ہے۔ سالانہ تربیتی کورس میں ہر سال سوال و جواب کی نشست رکھی جاتی ہے۔ جس میں طلباء و طالبات دین سے متعلق سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ جب تک آپ کی صحت اچھی رہی آپ باقاعدہ سوال و جواب کی اس نشست میں شریک ہوتے۔ آپ مشکل سے مشکل سوال کا نہایت آسان اور مثبت طریق پر جواب دیتے۔

آپ کی توجہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمدؑ کے اس دعویٰ کی طرف کافی تھی جس میں آپ نے فرمایا کہ میں ذوالقرنین ہوں اور اس میں آپ نے مختلف جنتریاں بھی جمع کیں اور آپ کا ذاتی خیال تھا کہ غالباً حضرت اقدس ہر لحاظ سے دو صدیوں کے مجدد ہیں لیکن اس مسئلہ میں ہمارے اختلاف کو ہرگز بُرا نہ مانتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رعایت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ خواہ مخواہ کی جرح اور جستجو سے اپنے لئے مشکلات نہیں پیدا کرنی چاہئیں۔

''سیدھی بات کہو'' کے قرآنی حکم کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انجمن کی مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے اجلاسوں کے علاوہ بھی آپ اس بات پر سختی سے کاربند تھے۔ جامع دارالسلام کے خطیب محترم راجہ محمد بیدار امرحوم و مغفور رخصت پر گئے تو آپ نے راقم کو کہا کہ تم خطبہ دو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو تجربہ نہیں رکھتا اور نہ ہی میرا اتنا علم ہے تو آپ نے فرمایا کہ خطبہ دو گے تو خود بخود تجربہ ہو جائے گا۔ کتابیں موجود ہیں ان سے تیاری کرلو۔ آپ کی اس کمال محبت اور حوصلہ افزائی کا مجھے بہت فائدہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کام میں مجھے کامیابی نصیب فرمائی۔ الحمد اللہ علی ذالک۔ آپ ارشاد فرماتے کہ خطبہ اور تقریریں لکھ لینی

چاہئیں۔ پہلا فائدہ تو مقرر کو خود ہوتا ہے کہ اس کے پاس ریکارڈ رہتا ہے اور دوسرے احباب کو بھی اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

راقم کو جب انجمن نے فجی جماعت کے دورہ کے لئے منتخب کیا تو آپ ہر قدم پر رہنمائی کرتے رہے۔ ایسا لگتا کہ جیسے میں نے دورہ پر نہیں جانا بلکہ آپ نے جانا ہے۔ آپ نے کمال مہربانی سے اپنے ہاتھ سے لکھے مختلف درس اور تقاریر مجھے دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے وہاں کی جماعت کے لئے ایک کیسٹ اپنے ایک ریکارڈ شدہ خطبہ کی تحفہ کے طور پر دی۔ اس اثناء میں آسٹریلیا کے سفارت خانے نے راقم کو ویزہ نہ دیا۔ اب میرے پاس ایسا پاسپورٹ تھا جس پر آسٹریلیا کے لئے اجازت نامہ سے انکار کی مہر لگی ہوئی تھی اور فجی کا ویزہ آسٹریلیا کے ائیر پورٹ پر ہی دیا جاتا ہے کیونکہ راستہ میں جاپان کا ٹرانزٹ ویزا نہ تھا۔ اس لئے ڈی پورٹ ہونے کا خطرہ تھا۔ آپ نے پوچھا اب کیا پروگرام ہے۔ میں نے کہا جیسے آپ فرمائیں کیونکہ ڈی پورٹ ہونے یا کسی سزا سے مجھے کوئی پرواہ نہیں البتہ انجمن کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ اس پر آپ نے کمال مہربانی سے فرمایا تو بس تیار کرو۔ پیسے کی فکر نہ کرو۔ جماعتی کام صرف اس وجہ سے نہیں رکنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ فرماتے روپیہ پیسہ کو جماعت بندی کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ جتنا خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اتنا ہی بڑھ چڑھ کر دے گا۔

نماز کی آپ انتہائی پابندی فرماتے اور بہت اطمینان سے نماز باجماعت ادا کرتے۔ جب آپ کی صحت اچھی نہ رہی اور آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تو گھر میں نماز ادا کرتے۔ اگر کوئی ملاقاتی ایسے وقت میں کہ جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے، ملنے کے لئے آتا تو خدمتگار آپ کے نماز میں انہماک کے پیش نظر ملاقاتی کو آدھ گھنٹے بعد کا وقت دے دیتا۔ مذہب کے معاملہ میں آپ کا رویہ حقیقت پسندانہ تھا۔ آپ جماعت کو پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور ساتھ ہی تہجد کی تلقین بھی فرماتے۔ لیکن تہجد کے بارے میں فرماتے کہ اگر روزانہ اہتمام نہ ہو سکے تو چھٹی کے دن تہجد پڑھیں۔ آپ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی اہتمام سے پڑھتے اس سے آپ کے ساتھ والے کو بھی توجہ ہوتی کہ وہ بھی پڑھے۔ آپ چندہ اور زکوٰۃ نہایت باقاعدگی سے ادا کرتے۔ اس کے علاوہ آپ فرماتے کہ جماعت کے لئے اپنی جائیداد کا ایک حصہ ضرور وصیت کریں اور اس خیال سے کہ پتہ نہیں بعد میں اولاد وصیت پوری کرے یا نہ کرے۔ اپنی زندگی میں ہی ہر ماہ قسط وار یہ رقم ادا کر دینی چاہیے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ہمیشہ متقی اور اسلام پر عمل پیرا امیر ملتے رہے ہیں۔ راقم نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی امارات کے دور نہایت قریب سے دیکھے ہیں۔ سادگی، خداخوفی ان کا شعار تھا۔ نہ کوئی گارڈ ہے نہ کوئی لمبا چوڑا گھر۔ دروازہ کھلا ہے جو چاہے جا کر مل سکتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب امیر چہارم کے گھر جب بھی جانے کا اتفاق ہوا جونہی آپ کو پتہ لگا فوراً بلوالیا۔ کئی دفعہ جب آپ کی طبیعت خراب ہوتی تو خود کو احساس ہوتا کہ شاید ہم سے غلطی ہوگئی۔ لیکن آپ نے ہمیشہ ملاقات کا شرف بخشا۔

ان کے خلق اور شفقت کا یہ عالم تھا۔ فوت ہونے سے ڈیڑھ دن پہلے جبکہ آپ کا جسم برف کی طرح سرد تھا، شاید آخری لمحات تھے لیکن پھر بھی آپ نے ناچیز کو ملاقات کا شرف بخشا۔

آپ کی طبیعت اگر اچھی ہوتی تو پھل وغیرہ پیش کرتے۔ البتہ چاکلیٹ کا ڈبہ ہمارے لئے خصوصی کشش کا باعث ہوتا جسے آپ کبھی خالی نہ ہونے دیتے۔ اگر آپ کا حال پوچھا جاتا۔ الحمدللہ کہتے اور دعا کے لئے کہتے۔ خود آپ بھی جماعت کے لئے دعائیں کرتے۔ جو بھی آپ کو دعا کے لئے کہتا آپ اس کا نام یاد رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کی یادداشت عنایت کی تھی۔ آپ کو مختلف بچوں اور احباب کے نام یاد ہوتے اور یہ بھی یاد رہتا کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ کیا تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

آپ نے ایک بات وصیت کے طور پر کہی کہ جماعت کا اگلا امیر متفقہ طور پر چنیں اور ہر قسم کے جھگڑے سے اجتناب کیا جائے۔ الحمدللہ آپ کی خواہش اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور مجلس معتمدین نے متفقہ طور پر حضرت ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب کو اپنا امیر منتخب کیا اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم و مغفور کی نظر انتخاب بھی آپ ہی کی طرف جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نئے امیر محترم ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قیادت کو بابرکت ثابت کرے اور ان کے وجود سے جماعت کو ہر لحاظ سے مضبوطی اور قوت نصیب ہو۔ آمین

(ماں) بحرِ شفقت

از: حامد رحمٰن

''ماں'' ایک خوبصورت احساس اور مجسم پیار ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ ساری کائنات کا پیار اللہ نے اس کی گود میں رکھ دیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پیارا اور افضل رشتہ ہے۔ ماں بذاتِ خود ایک مجسم دعا ہے جس کے ہاتھ ہر دم رب کریم کے حضور پھیلے رہتے ہیں اور ماں کا یہی دامن اولاد پر رحمت کا سایہ ہوتا ہے اور مصائب سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ماں کی شفقت و محبت کا اندازہ کیسے کوئی لگائے؟ جب بھی میں نے اپنی ماں کے لئے کچھ لکھنے کا سوچا تو ذہن میں جذبات کا سمندر اُمڈ پڑا اور مجھے ایسے لگا جیسے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے، محاورے میرے احساسات کی ترجمانی نہیں کر پا رہے، قلم لڑکھڑا رہی ہے۔ میں لکھتے لکھتے صبح سے شام بھی کر دوں تو بھی ماں کی محبت اور خلوص، اس کے سچے جذبوں کا اظہار نہ کر پاؤں گا۔ وہ الفاظ ہی نہیں جن سے ماں کی محبت کو ناپا یا ان کی ترجمانی کی جا سکے۔ سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد ماں سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

میری والدہ کا نام عابدہ بیگم تھا۔ نام کی طرح وہ حقیقی معنوں میں عبادت گذار اور خدا کی انتہائی فرمانبردار خاتون تھیں۔ میرے لئے وہ دنیا کی سب ماؤں سے زیادہ پیاری اور شفیق تھیں۔

وہ دیبگراں گاؤں کے ایک احمدی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ چھ بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھیں۔ ہوش سنبھالتے ہی گھر کے سارے کام انہی کے ذمے لگ گئے۔ پردے کی اتنی پابند کہ دن کی روشنی میں پانی بھرنے نہ جاتیں رات کو اپنی سہیلوں یا گھر کی کسی بزرگ خاتون کے ساتھ جاتیں۔ اپنے خاندان میں شروع ہی سے بہت سگھڑ مشہور تھیں۔ میری نانی جو گاؤں میں سماجی بھلائی کے کاموں میں پیش پیش رہتی ہیں۔ وہ رشتہ داروں اور خاندان کے کام پہلے اور گھر کے کام بعد میں کرنے کا جذبہ رکھتی ہیں۔ کبھی کسی کی شادی میں لوگوں کا ہاتھ بٹاتیں تو کبھی کسی کے جنازہ میں شمولیت، کبھی کسی بچے کی پیدائش کی مبارکباد دینے تو کبھی بیمار کی بیمار پرسی کرنے میں مصروف ہوتیں۔ گاؤں کی زندگی ویسے ہی بہت مشکل ہوتی ہے امی کے بچپن کے زمانے میں تو بجلی، پانی، گیس، سڑکیں جیسی کوئی بنیادی سہولت نہ تھی۔ لالٹین کی روشنی میں رات رات بھر جاگ کر کروشیے اور کڑھائی کا کام شوق سے کرتیں۔ ان کے اسی سگھڑ پن اور کم گوئی کی وجہ سے چھوٹی عمر میں ہی ان کے رشتے آنا شروع ہو گئے اور ایک احمدی گھرانے میں شادی ہو گئی۔

1972-74ء پاکستان میں احمدیوں کے لئے جینا مشکل ہو گیا اور نفرتیں حد سے بڑھ گئیں ننھیال والوں نے عزت، جان اور مال کی امان کے لئے احمدی کہلانا چھوڑ دیا۔ میری امی پر احمدیت ترک کرنے کے لئے بہت دباؤ ڈالا، لاتعداد مسائل پیدا ہو گئے۔ نہ شوہر کو چھوڑ سکتی تھیں نہ والدین کو بالآخر میرے ننھیال والوں نے والدہ کو چھوڑ دیا۔ میرے ابو امی کو لے کر لاہور آ گئے اور یہاں دارالسلام کالونی میں امی اپنی سادگی، کم گوئی اور سگھڑ پن کی وجہ سے وہ بہت جلد مقبول ہو گئیں اور زندگی نسبتاً پُرسکون ہو گئی۔

امی کا بچپن عام لڑکیوں کی طرح گڑیوں کے ساتھ کھیلنے میں نہ گذرا بلکہ وہ زیادہ تر گھر کے کاموں میں لگی رہتیں۔ ان کی ایک سہیلی کی زبانی معلوم ہوا کہ جب ہم سب کھیلتے تھے تو عابدہ کو ہر وقت اپنے کاموں کی فکر رہتی تھی۔ اسی طرح بچپن گذر گیا یہاں تک کہ ان کی شادی ہو گئی۔ ہم سب بہن بھائیوں نے آج تک امی کے منہ سے کسی کی برائی نہ سنی۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ کسی کو بُرا نہ کہو، انتہائی سادہ لباس پہنتی تھیں۔ بیٹیوں کی شادیاں بہت اچھے طریقے سے کیں۔ نواسے اور نواسیاں اکثر ان کے پاس ہی خوش رہتے تھے۔

میں اپنی امی کا بہت لاڈلا تھا۔ میری امی میرے لئے بہت دعائیں کرتی تھی۔ میری اکثر خواہشیں پوری کرتیں یا کسی طریقے سے ان کو پورا کروا دیتیں۔ جب کبھی بھی میرے والد صاحب مجھ سے اختلاف کرتے تو میری امی وکیل بن کر درمیان میں کھڑی ہو جاتیں اور اکثر والد صاحب سے بات منوا لیتیں۔

جس جگہ میں ملازمت کرتا تھا وہاں سے اکثر واپسی پر مجھے دیر ہو جاتی، جب گھر میں داخل ہوتا تو اپنی امی کو اپنا منتظر پاتا۔ اس انتظار کا مقصد مجھ سے ملنا، میری خیر و عافیت دریافت کرنا ہوتا اور یہ بھی کہ میں کھانا کھائے بغیر سو نہ جاؤں۔ مجھے گرم

گرم کھانا بنا کر دیتیں۔ میں اکثر گھر سے کچھ دور فاصلے پر ہی اپنی موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ کر لیتا تا کہ میری امی جاگ نہ جائیں اور چپ چاپ جا کر سو جاؤں۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ان کو نیند کہاں آتی تھی۔ جب بھی کہتیں کہ یہ لا دو، وہ لا دو اور میں لا کر دیتا تو خوش ہو کر دعائیں دیتیں کہ حساب نہیں ہو سکتا۔

ان کی بیماری کے دوران کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ کچھ دنوں بعد وہ ہم سے جدا ہو کر اپنے مالک حقیقی کے پاس جانے والی ہیں۔

ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتیں اور یہی درس اپنی بچوں کو بھی دیا کرتیں۔ خدا نے ان کو چھ بچے دیئے، ان کو پالا پوسا، پڑھانا لکھانا آجکل بچوں کو ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے جو صرف ان کی ہی ہمت سے ہوا۔ ان کے بچے سب سے صاف ستھرے بچوں میں شمار ہوتے تھے۔ عمر ڈھلتے ہی کمزور اور بیمار رہنے لگ گئیں۔ دوائی کھاتیں تو ٹھیک اگر چھوڑ دیتیں تو بیمار۔ خاموش طبع تھیں لیکن جب بھی بولتیں بہت سوچ سمجھ کر بولتیں۔ کسی کی برائی نہ کرتیں اور نہ ہمیں کرنے دیتیں۔

ہم سب کی واحد تفریح ایک ٹی وی ہی تھا۔ کسی کی وفات کی اطلاع آجاتی تو ٹی وی بند ہو جاتا کہ فلاں فوت ہو گیا ہے، جو میرے گاؤں کا تھا حتیٰ کہ مخالفین کے لئے بھی دُکھی ہو جاتیں۔ ایک نہ ایک دن ہم سب نے بھی مرنا ہے۔ عزیز و اقربا کیا کہیں گے کہ انہیں کوئی افسوس نہیں ہے۔ ہم ہفتہ دس دن کے بعد ضد کرتے تو کہیں جا کر اجازت ملتی۔ آج جب ہماری امی ہم میں نہیں تو سمجھ آیا کہ کسی عزیز یا رشتہ دار کے جانے کا دُکھ کیا ہوتا ہے۔

ہم بچوں کی طبیعت میں کچھ جذباتی پن تھا۔ ہمیں غصہ جلدی آجاتا اگر کچھ کہتے تو فوراً منع کرتیں کہ کسی کو برا بھلا نہیں کہنا، کسی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔ اکثر بہنیں امی سے کہتی کہ لڑکیاں اپنے میکے آتی ہیں اپنے دل کی ڈھیروں باتیں کرنے، کچھ سناتی ہیں، کچھ دوسروں کی سنتی ہیں مگر آپ تو ہم سب کے اکٹھے ہونے پر کرفیو لگا دیتی ہیں کہ کوئی بات نہیں کرنی۔

ہم بہن بھائی پڑھائی کے ساتھ ساتھ جب بھی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تو بہت خوش ہوتیں۔ جب بیٹیاں سمجھدار ہوئیں اور گھر سنبھال لیا تو امی کو کام نہ کرنے دیتیں لیکن وہ اپنے آپ کو چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف رکھتیں۔ اسی طرح وقت گذرتا گیا۔ امی کی بیماری کی وجہ سے کئی اہم کام ہم بہن بھائیوں کو کرنے کا موقع ملتا اور جب ان میں سے کوئی ہمت ہار جاتا تو حوصلہ اور سہارا دیتیں اور ایسی باتیں کرتیں کہ لمحوں میں ساری تھکاوٹ دُور ہو جاتی۔ غرض ان کی محبت اور پیار کی کوئی حد نہ تھی۔

سب بچوں سے ہی بہت پیار کرتی تھیں لیکن بڑی بیٹی اور بیٹے سے زیادہ لگاؤ تھا۔ بڑی بیٹی کی شادی کے بعد بہت بے تابی سے اس کا انتظار کرتیں۔ ہم مذاق میں بھی اسے کچھ کہہ دیتے تو ناراض ہو جاتیں۔

وفات سے ایک دو ہفتے پہلے بڑی سے چھوٹی بیٹی کو کہتیں کہ مجھے اپنا گھر دکھا کر لاؤ جو اس وقت نیا نیا ملا تھا اور پینٹ وغیرہ ہو رہا تھا، دیکھ کر آئیں تو بہت خوش ہوئیں کہ بہت پیارا گھر ہے۔

اکتوبر 2011ء میں انہیں بخار ہوا جس کا علاج ہوتا رہا۔ جب ٹیسٹ کروایا تو وہ ڈینگی بخار نکلا۔ پہلے ہم عزیز و اقارب اور ایک بہن جو مغل پورہ، لاہور میں رہتی ہے کو بتانا نہیں چاہ رہے تھے لیکن ساتھ ہی دل میں خوف تھا کہ اگر کچھ ہو گیا تو ساری عمر ہم سے یہ گلہ رہے گا۔ بحر حال بہن کو اطلاع دے دی گئی اور 21 اکتوبر بروز جمعہ وہ امی سے ملنے کے لئے آگئی، دونوں مل کر بہت خوش ہوئیں۔ پھر وہ امی کے پاس ہی رُک گئی۔ ان دنوں ڈینگی کا بہت زور تھا اور ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے تھے۔ ڈاکٹر سب کو یہی مشورہ دیتے کہ مریض کو ڈرپ اور دوائی گھر پر ہی دیں کیونکہ ہسپتال سے گھر پر زیادہ بہتر اس مرض کا علاج ہو سکتا ہے چنانچہ کچھ دنوں تک امی کو گھر میں ہی ڈرپ لگواتے رہے اور دوائیاں دیتے رہے۔ مورخہ 22 اکتوبر بروز ہفتہ امی کی طبیعت کافی خراب ہو گئی، سانس کافی پھول رہا تھا، بار بار کہتی تھیں مجھے سانس نہیں آرہا باقی سب ٹھیک ہے۔ دوپہر کے وقت کچھ بہتر ہوئیں تو انہیں نہلایا گیا۔ کپڑے بدلوائے گئے اور ہسپتال جانے کے لئے تیار کیا گیا۔ شاید ان کا آخری وقت قریب تھا جس کا ہم سب کو اندازہ نہیں تھا۔ دن کے تقریباً 3:00 بجے ہسپتال چیک اپ کروانے کے لئے گھر سے نکلے۔ جب ہم ہسپتال میں داخل ہوئے کوئی ویل چیئر نہیں مل رہی تھی جس پر بیٹھا کر امی کو ڈاکٹر کے کمرے تک لے جائیں۔ ہم نے امی کو ایک جگہ بیٹھایا تا کہ ڈاکٹر کے کمرے کا معلوم کر کے امی کو وہاں لے جائیں۔ ان کا سانس پہلے سے ہی مسئلہ کر رہا تھا جلد ہی ڈاکٹر کے کمرے کا پتہ چل گیا تو ایک طرف سے میں نے امی کو پکڑا اور دوسرا بازو میری بڑی بہن جو ان دنوں امی سے ملنے آئی ہوئی تھی نے پکڑا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑا سا ہی چلے ہوں گے کہ امی ہمارے ہاتھوں سے نیچے کی طرف گرنے لگیں اور

شاید وہ بے ہوش تھیں۔

افسوس کہ ڈاکٹر کے کمرے تک جانے والے راستے میں ہی ان کا بلاوا آ گیا اور وہ ٹھیک سہ پہر 3:30 منٹ پر مالک حقیقی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ ان کو ایمرجنسی پہنچایا گیا، جاتے ہی ڈاکٹرز نے ان کی ہارٹ پمپنگ شروع کر دی تو ہم سب اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ کر سکے۔ میں ایمرجنسی سے باہر نکل آیا تھوڑی ہی دیر میں وہ خبر جس کا ہمیں ڈر تھا مل گئی۔ ہماری امی، ہمارے انتظار میں جاگنے والے امی دنیا سے رخصت ہو گئی۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے آمین۔

امی کی وفات کے ایک ہفتہ بعد جب سب سے بڑی بہن نے واپس ملازمت پر جانا شروع کیا تو دفتر میں ان کے افسر کو ایک دوست کی کال آئی کہ میں حج کرنے آیا ہوں اور اس وقت ایسی جگہ کھڑا ہوں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ آپ نے کوئی دعا کرانی ہو تو بتائیں۔ وہ حیران رہ گئے کہ یوں اچانک ایک ایسی جگہ سے فون آنا جہاں لوگ صرف اور صرف اپنے گھر والوں کے علاوہ یا رشتہ داروں کے علاوہ کسی کو یاد رکھ لیں تو بھی بڑی بات ہے۔ اس وقت ان کے افسر کے منہ سے اور کچھ نہیں نکلا صرف ایک ہی دعا کا کہا کہ ہمارے ہاں ایک خاتون کام کرتی ہیں ان کی والدہ کے لئے دعا کرا دیں۔ وہ بولے! کیا بیمار ہیں؟ کہا نہیں، بلکہ ان کا چند دن پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ ان صاحب نے والدہ کا نام پوچھا اور فون بند کر دیا۔ جب وہی صاحب حج کر کے واپس آئے تو میری بہن کو تعزیت کا فون کیا اور بتایا کہ میں نے آپ کی والدہ کے لئے بہت دعا کی ہے۔ اس وقت اس شخص کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ سب کہتے تھے تمہاری ماں جنتی ہیں، ساری زندگی انہوں نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ اس وقت مجھے اور یقین ہو گیا کہ کس طرح اللہ نے ایک انجان بندے کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ میرے والدہ کے حق میں دعا کروائے۔

یہ سب تو پہلے سے طے تھا صرف ہمیں بتلانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کو سادہ اور معصوم فرشتہ صفت لوگ کتنے پسند ہیں۔

☆☆☆☆

نیل کا ساحل

عامر عزیز الازھری

اس احقر کی زندگی کے چند حسین لمحات قاہرہ کی تاریخی پُر شکوہ شاہراؤں گلیوں اور دریائے نیل کے سحر زدہ ساحل پر گذرے

صدیوں کے سرِ نہاں سے
الجھتا آب رواں نیل
زندگی کی آس لئے
پیغام حیات جاوداں نیل
میری تنہائی کے دروازے پر
چپکے سے دستک دیتا ہے
مقفل کواڑوں سے کبھی
بادِ صبا کا گذر نہیں ہوتا
اے دوست! گل لالہ کبھی
دشت تنہائی میں نہیں اُگتا
یاس کے اندھیروں کا
کوئی ہمسفر نہیں ہوتا
مگر بیچ آب رواں نیل
بجرے میں تھرکتا جسم
تہذیب وتمدن کے ملبوس میں صدا دیتا ہے
ابدیت فقط سفر کو ہے
مسافر کو نہیں

☆☆☆☆

زلزلے کیوں آتے ہیں؟

تحریراز: میجر (ر) اعجاز الحق بٹ صاحب

اللہ تبارک وتعالیٰ نسل انسانی کو راہ راست پر لانے کے لئے دنیا میں رسول / نبی بھیجتا رہا ہے تا کہ عبادت صرف ایک اللہ کی کی جائے اور زندگی اچھی طریقے پر بسر کی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر جتنے رسول آئے جب وہ اپنی اپنی قوم کو تبلیغ کر کے تھک گئے تو انہوں نے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی قوم پر عذاب کے لئے درخواست کی۔ اللہ نے کسی قوم کو زلزلوں سے تباہ کیا اور کسی کو پانی میں غرق کیا۔ قرآن میں جن قوموں کا ذکر ہے ان میں سے زیادہ کو زلزلوں سے تباہ کیا لہذا زلزلے اللہ کی طرف سے ایک قسم کی وارننگ سمجھی جاتی ہے کہ اللہ انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے ناراض ہے لہذا دنیا میں جہاں کہیں بھی زلزلے آئے ہمیں اپنے گناہوں سے معافی مانگی چاہیے اور اپنی زندگی کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے پایا اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے، کہہ اللہ (کبھی) بے حیائی کو حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے''۔

(سورۃ الاعراف، آیت 28)

نسل انسانی کی تاریخ کچھ اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور کہا ''اے آدم تو اور تیری بیوی باغ میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔

(سورۃ الاعراف آیت 19)

پھر شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ ڈالا تا کہ ان کے لئے وہ عیب کھول دے جو ڈھانکے گئے تھے اور اس نے کہا تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ (20)۔

اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں (21) پس دھوکے سے ان کو گرا دیا۔ سو جب ان دونوں نے درخت کو چکھا ان کے لئے عیب ان پر کھل گئے اور وہ باغ کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے اور ان کے رب نے انہیں پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور تمہیں (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (22) انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنے اُو پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہماری حفاظت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے (23) کہا اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور سامان ہے (24) کہا اسی میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے (25) اے بنی آدم! بیشک ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے عیبوں کو ڈھانکے اور زینت ہو اور تقویٰ کا لباس۔ یہی بہتر ہے یہ اللہ کی باتوں میں سے (باتیں) ہیں تا کہ وہ نصیحت قبول کریں (26)

پھر وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا رہا جیسے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''بیشک ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اُس نے کہا اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سرداروں نے کہا ہم تم کو گمراہی میں دیکھتے ہیں''۔ (سورۃ الاعراف آیت 59)۔ پھر اللہ نے حضرت نوح اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا باقیوں کو غرق کر دیا۔ اور اس نے اس کے بیٹے کو بھی غرق کر دیا کیونکہ وہ بھی گمراہی تھا۔

پھر حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا اللہ کی عبادت کرو۔ یہ وہ لوگ تھے جو پہاڑوں کو کاٹ کر کوٹھیاں بناتے تھے۔

جب انہوں نے انکار کیا تو اللہ نے نشان کے طور پر اونٹنی کو چھوڑ دیا اور اللہ نے کہا اس کو دُکھ نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب آ جائے گا۔ انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اللہ نے ان کو زلزلہ سے پکڑا اور وہ گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بے حیائی کرتی تھی، شہوت رانی کے لئے مردوں کے پاس جاتی تھی۔ انہوں نے کہا حضرت لوط کو یہاں سے نکال دو یہ پاک بنا چاہتا ہے۔ اللہ نے ان پر ایک

مینہ برسایا اوران کو ختم کر دیا۔حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو بھی ان کے ساتھ تباہ کر دیا کیونکہ وہ بھی بدکار لوگوں کی ساتھی تھی۔

اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف بھیجا وہ کم تول تھے اور زمین پر فساد کرتے تھے۔ رستہ پر بیٹھتے تھے یعنی ڈاکو تھے۔ان کو زلزلے نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والے کو سختی اور دکھ نے پکڑا تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں (94) جب وہ عاجزی اختیار نہیں کرتے اور گناہ سے توبہ نہیں کرتے تو اللہ فرماتا ہے:

''تو کیا بستیوں والے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آئے، جب وہ سوتے ہیں''(سورۃ الاعراف آیت 94)

''اور کیا بستیوں والے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آئے جب وہ کھیلتے ہوں''۔(سورۃ الاعراف آیت 94)

گزشتہ قومیں تمام کی تمام تباہ ہوئیں لیکن امتِ محمدیہ پر یہ خاص عنایت ہے کہ یہ ساری امت تباہ نہ کی جائے گی بلکہ ان کو وارننگ کے طور پر بستیاں تباہ ہوں گی۔وہ کب تباہ ہوں گی جب:

(۱): جھوٹ عام ہو جائے گا۔

(۲): بددیانتی عام ہو جائے گی۔جرائم بڑھ جائیں گے۔

(۳): انصاف اٹھ جائے گا۔

(۴): فسق وفجور اور زنا عام ہو جائے گا۔

(۵): جب علماء حق کی بات کرنی چھوڑ دیں گے بلکہ وہ بات کریں گے جس سے لوگ خوش ہوں۔

(۶): جب ہر کوئی دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنائے گا۔اپنے آپ کو درست نہیں کرے گا۔

(۷): والدین کی عزت اور استادوں کی عزت کرنی چھوڑ دی جائے گی۔

(۸): اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مندرجہ بالا تمام گناہ ہماری قوم میں پائے جاتے ہیں اور ہم بجائے اپنے آپ کو ٹھیک کرنے کے دوسری اقوام کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔

اسی لئے جب یہ ہوگا تو پھر زلزلے آئیں گے جیسے بلوچستان میں زلزلہ آیا۔ یہ ہمارے لئے وارننگ ہے اگر ہم باز نہ آئے تو ہم بھی تباہ کر دیئے جائیں گے۔ بلوچستان کے زلزلے سے جہاں تباہی آئی وہاں زمین کے خزانے بھی اُگلے جو ایک جزیرے کی صورت میں سمندر میں اُبھرا جس سے قدرتی گیس نکل رہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زلزلوں کی بڑی پیشگوئیاں کی ہیں۔ جیسے آپ فرماتے ہیں:

دب گئے نیچے پہاڑوں کے کئی دیہات وشہر
مر گئے لاکھوں بشر اور ہو گئے دنیا سے پار
اک چھپک میں زمین ہو جائے گی زیر زبر
نالیاں خون کی چلیں گی جیسے آب رود بار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثل درختاں چنار

(درثمین صفحہ 121)

پھر حضرت صاحب فرماتے ہیں:''یہ حق کی باتیں جو پوری ہو کر رہیں گی۔'' آپ پھر فرماتے ہیں:''یہ ٹل سکتے ہیں اگر لوگ مندرجہ ذیل برائیوں سے بچیں:

(۱): جرائم پیشہ عادت کو چھوڑ دیں۔

(۲): فسق وفجور میں جو غرق ہیں وہ فسق وفجور چھوڑ دیں۔

(۳): زانی، خونی، چور، ظالم جرائم سے توبہ کرلے۔

(۴): ناحق کے طور پر بداندیش اور بدزبان، بدچلن ہیں توبہ کریں۔

(درثمین صفحہ 121 حاشیہ)

یہ زلزلے اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ قیامت صغرا کا منظر پیش کرتے ہیں۔ لوگ جو آزمائے جاتے ہیں، اگر ٹھیک ہو جائیں اور اپنے آپ کو ٹھیک کرلیں تو پھر اللہ کی نصرت آتی ہے۔جیسے عرب کے لوگ آزمائے گئے۔اتنے آزمائے گئے کہ وہ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ پھر اللہ کی مدد ایسی آئی کہ کسرا اور قیصر کے خزانوں کے مالک ہو گئے۔

جیسے سورۃ الزلزال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائے گی۔اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا اسے کیا ہوا''۔

یعنی زمین زلزلے سے ہلائی جاتی ہے،لوگ مرتے ہیں وہ اپنے آپ کو درست کرتے ہیں اور زمین اپنے چھپے خزانے نکالتی ہے اور پھر انسان کہتا ہے کہ اس کو کیا ہوا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جب عرب کی زمین ہلائی گئی تو عرب کے لوگ جو گناہوں میں گرے ہوئے تھے جب انسانیت کے بلند و بالا مقام پر گئے اور ان کا ایک وفد شہنشاہ ایران کے دربار میں گیا تو اس نے ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ فردوسی ان خوبصورت لفظوں میں بیان کرتا ہے۔کس حیرت سے وہ کہتا ہے:

''ز شیر شتر خوردن وسوسار
عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاجِ کیاں را کند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

یعنی اونٹ کا دودھ پینے والے گوہ کھانے والے عرب کو اب یہاں تک جرات ہوگئی ہے کہ ایران کے کیانی تاج وسلطنت کی وہ آرزو کرتے ہیں۔اے آسمان تجھ پر تف ہے یہ **قال الانسان مالھا** کی بہترین تفسیر ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابہ پر اس قدر مصیبتیں آئیں کہ وہ ہر لحاظ پر آزمائے گئے۔شعیب ابی طالب میں محسور کئے گئے ان پر فاقے آئے۔جنگ بدر میں مسلمان شہید ہوئے پھر اُحد میں مسلمانوں کو آزمایا گیا اور جنگ خندق میں آزمائے گئے۔ان تمام واقعات نے مسلمانوں کو جھنجوڑ کے رکھ دیا۔اللہ تعالیٰ کے نبی نے اُن کو سونا بنادیا۔اور پھر دنیا کے بادشاہ بن گئے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ جھوٹ بولنے اور گناہوں سے بچیں ورنہ زلزلے آئیں گے جیسے کہ (حدیث نمبر6094 بخاری صفحہ1084 جلد دوئم)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو اور صادقوں کے ساتھ ہوجاؤ۔''

سیدنا عبداللہؓ نبیؐ سے روایت کرتے ہیں فرمایا:''سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے اور انسان برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق ہوجاتا ہے اور جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا اور بدی آگ میں پہنچاتی ہے اور انسان برابر جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔جھوٹ بولنا منافق کی نشانی ہے''۔

(مشکوٰۃ مترجم جلد سوم صفحہ27 حدیث نمبر5214)

''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت غنیمتوں کو ذاتی دولت ٹھہرایا جائے اور امانت کو غنیمت سمجھا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے،غیر دین کا علم پڑھا جائے،آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے۔اپنی ماں کی نافرمانی کرے،اپنے دوست کو نزدیک کرے،اپنے باپ کو دور رکھے،مساجد میں آوازیں ظاہر ہوں،فاسق و فاجر شخص اپنے قبیلے کا سردار بن جائے،قوم کا سردار ذلیل و کمینہ شخص ہو،آدمی کے شر سے ڈرتے ہوئے اس کی عزت کی جائے۔گانے بجانے والیاں اور باجے ظاہر ہوں اور شراب پی جائے۔اس امت کے پچھلے اگلوں کو لعنت کریں۔اس وقت سرخ ہوا کا زلزلوں اور زمین میں دھنس جانے صورتوں کے تبدیل ہوجانے پتھروں کے برسنے اور پے در پے نشانیوں کے ظاہر ہونے کا انتظار کرو۔جیسے جواہر کی لڑی کا ڈورا ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پیہم گرنے لگیں''۔(ترمذی)

مندرجہ بالا احادیث میں بڑے واضح الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو متنبہ کیا ہے کہ جب لوگ گناہوں میں ایک حد سے بڑھ جائیں گے تو پھر اُن پر آسمانی آفتیں آئیں گی۔ہمارے ملک میں جب کبھی کوئی آسمانی آفت آتی ہے یعنی سیلاب،زلزلے وغیرہ تو بجائے ہم اپنا احتساب کریں اور نیکی کی تلقین کریں ہم اُن کی امداد میں ایسے لگ جاتے ہیں جیسے اُن پر بڑا ظلم ہوگیا ہے اور پھر گورنمنٹ پر غیر ضروری تنقید شروع ہوجاتی ہے۔ان آفات کا بہترین حل ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ توبہ استغفار کریں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور لوگوں کو صبر اور نیکی کا حکم دیں اور بہترین تبلیغ اپنے کردار سے پیش کریں کیونکہ تقریریں سن سن کر لوگ تنگ آگئے ہیں لہٰذا بہترین تقریر عملی نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

قسط چہارم

ہمارا خالق

محمد ضیاء اللہ صاحب

اگر چہ اس کی حقیقی صفت رحمت ہی ہے جس کا جملہ عالمین میں ہر لحظہ ظہور ہے لیکن وہ صاحبِ جلال بھی ہے کیونکہ اگر وہ اپنا حکم ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے ایک ہی سا سلوک کرے تو یہ ضعف کی علامت ہوگی۔ وہ ہر لحظہ نئی شان میں ہے جواد یعنی حقیقی محسن صرف اسی کی ہی ذات ہے کیونکہ اس کے سوا باقی سب دینے والے یا تو آخرت کے ثواب یا دنیا کی تحسین کے سبب دیتے ہیں۔ اُن کا دینا بھی صرف حق تعالیٰ کی امانت میں سے ہے، اگر وہ ان کو نہ دیتا تو کہاں سے دیتے، وہ امن دینے والا ہے، وہ تمام آفات سے بچانے والا ہے، وہ ہی سب کا نگہبان ہے، وہ غالب ہے، وہ ہی ہمارے نقصان کی تلافی کرنے والا ہے، وہ بار بار رحم کرنے والا ہے، کبریائی اس کی شان ہے، بندوں کی پردہ پوشی اسی کی صفت ہے، وہ ہی سب کا مشکل کشا ہے، عزت و ذلّت صرف اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح اُونچا اور نیچا بھی وہ ہی کرتا ہے۔ سچا فیصلہ اور سچا عدل صرف اسی کا ہے، وہ نہایت درجہ باریک بین ہے، وہ ہی حقیقی قدردان ہے۔ سب عظمت اور بڑائی صرف اسی کو حاصل ہے، وہی سب کی نگرانی کرتا ہے، وہی سب کا حافظ و ناصر ہے، وہ ہی انسانوں کی دعاؤں اور عملوں کو قبول کرنے والا ہے، وہ بڑا ہی محبت کرنے والا ہے، وہ ہی ہر کمال کا دائمی اہل ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے، وہ غفار یعنی بخشش کرنے والا ہے، وہ غفور یعنی بخشنے والا ہے، وہ ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے، وہ بڑا ہی بُردبار ہے، وہ بندوں کی گستاخی پر صبر کرنے والا ہے، وہ ہی بندوں کے حال پر رجوع برحمت ہونے والا ہے، وہ ہی سب اچھے ناموں کا مالک ہے۔ رسولِ پاکؐ نے یہ ننانوے گنائے ہیں، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات صرف انہی ننانوے اسمائے حسنہ سے متصف ہے وبس، یہ تو صرف ہم خاک کے مکینوں کے ظرف اور نسبت سے اس کی تجلیات اور جلوہ گری کا بیان ہے ورنہ جو ذات بے حد و عد ہو اس کی صفات اور اسماء حسنہ کا شمار بھلا کب ممکن ہے۔

ہر چہ آید بفہم و عقل و قیاس
ذاتِ او برتر است زاں وسواس

یعنی جو کچھ فہم و عقل اور قیاس میں آسکتا ہے اس کی ذات ہر اس خیال سے برتر ہے۔

اب خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا ان اوصاف سے متصف ذات ہماری محبت اور پرستش کی حقدار نہ ٹھہرے گی اور ہم اس پر دل و جان سے فدا نہ ہوں گے؟ اور کیا اس کے سوا کوئی اور اس جیسا ہے جو ہماری محبت کا ویسا حقدار ہو؟ یہاں ایک اور شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو مانا کہ سب اشیاء کا حسن صرف آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ نغمے کے حسن کا تعلق مثلاً کان سے ہے لیکن اس کا علم تو بہر حال سننے کی حس کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس لئے ان اشیاء کے حسن و جمال کا کیسے تصور کیا جائے جن کا تعلق ہماری کسی بھی حس سے نہیں یعنی نہ دیکھنے سے نہ سونگھنے سے نہ چھونے سے، سوال کا جواب یہ ہے کہ حسن و جمال صرف حسوں سے ہی محسوس ہونے والی اشیاء میں مقید نہیں بلکہ غیر محسوس میں بھی پایا جاتا ہے، کیا ہم یہ نہیں کہتے کہ فلاں شخص میں بہت ہی حسنِ خلق ہے اور کیا اچھے اور عمدہ اخلاق کا حواسِ خمسہ سے علم ممکن ہے؟ بالکل نہیں، ان کے علم کا تعلق ہماری اندرونی بصیرت سے ہے نہ کہ بصارت سے اور اچھے اخلاق ہر ایک کو محبوب ہیں اور جو ان کا حامل ہوگا قدرتی طور سے سب کا محبوب ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں حق تعالیٰ سے محبت کے جذبہ کو انسان کے دل میں بطور ایک بیج کے رکھا گیا ہے اور کیوں اسے دوسری انسانی جبلّتوں کی طرح اضطراری رنگ نہیں دے دیا گیا تا اس سے انحراف ممکن ہی نہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شے کی ترقی مقصود ہو اس کا بیج کی صورت میں ہونا لازمی ہے کیونکہ بیج کے اندر پھلنے پھولنے اور بڑھنے کی استعداد ہوتی ہے۔ خوراک کی خواہش یعنی بھوک انسان کے اندر بطور ایک اضطراری تقاضا کے رکھی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ

ہے کہ بھوک کے تقاضا کا نشوونما مطلوب نہیں اور یہی بات دوسری سب انسانی جبلّتوں کے متعلق درست ہے، لیکن محبت الٰہی کے جذبہ کی ترقی کی منازل بے انتہاء ہیں اس لئے اس کا بطور ایک بیج کے ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کسی جبلّت کا اظہار انسان کے لئے کسی قسم کی خوبی اور کمال کا باعث نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس پر کوئی انعام یا اجر مرتب ہوسکتا ہے، صاف ظاہر ہے کہ انعام صرف دوڑ میں حصہ لینے اور اس میں آگے نکل جانے پر ہی ملا کرتا ہے۔ کیا کبھی کسی مشین یا اس کے کل پُرزے کے متعلق یہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کو انعام دیا جائے کیونکہ اس نے اپنا کام بہت خوبی سے سرانجام دیا ہے؟

دوسرا سبب محبت کا احسان ہے اگر آپ پر کوئی شخص احسان کرے گا تو ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں قدرتی طور پر اس کی محبت پیدا ہوگی۔ مثل مشہور ہے کہ انسان بندۂ احسان ہے، وحشی جانور تک بھی احسان شناسی سے محروم نہیں۔ تاریخ کئی مثالیں پیش کرتی ہے کہ خوفناک اور خونخوار درندوں تک نے اپنے محسن کو پہچان لینے پر فوراً اپنے احسان شناسی کے جذبہ کا اظہار کیا، انسان ہوکر اگر احسان شناسی میں ہم درندوں سے بھی کم ہوں تو پھر ہمارے حیوان ہونے بلکہ حیوانوں سے بھی کم تر ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ کے احسانوں کا شمار تو ممکن نہیں:

عنایت ہائے اورا چوں شمارم
کہ لطفِ اوست بیروں از شمارے

یعنی اس کی مہربانیوں کو کیوں کر گنوں کہ اس کی مہربانیاں تو حد وشمار سے زیادہ ہیں، لیکن آیئے پھر بھی ہم یہ جاننے کی سعیِ لاحاصل کریں کہ ہماری گردن حق تعالیٰ کے کن عظیم احسانوں تلے دبی ہوئی ہے اور ہم پر اس کے کس کس نوع کے کیا کیا احسان ہیں۔

پہلی بات جونظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا وجود اور ہماری ہستی سرتاپا اس کے دستِ فیض کی مرہون منت ہے۔ اگر وہ ہم کو لذت ہستی نہ بخشتا تو ہمارا کوئی وجود نہ ہوتا:

بادِ ما و بُود ما از دادِ تُست
ہستیِ ما جملہ از ایجادِ تُست

یعنی ہمارا وجود تیری عطا ہے ہم سب کی ہستی تیری ایجاد ہے۔

انسان ذرا اپنی ذات پر تو غور کرے ایک وقت تھا کہ اس کا نام ونشان تک نہ تھا پھر وہ محض ایک خوردبینی ذرہ تھا لیکن خالق کی معجزنمائی نے اسے ایک جیتا جاگتا انسان بنایا۔

کرمکے بودم مرا کردی بشر

یعنی میں ایک حقیر کیڑا تھا تو نے مجھے بشر بنادیا اور یہ سب کچھ بغیر کسی سبب یا طلب کے:

ما نہ بودیم و تقاضہ ما نہ بود
لطفِ تو نا گفتہ ما می شنود

یعنی جب ہم موجود بھی نہ تھے اور ہمارا تقاضا بھی نہ تھا تو تو نے بے مانگے ہم کو دولتِ وجود عطا کی اور جن جن حاجات کا ہم اظہار بھی نہ کر پائے تھے تو نے خود ان کو سمجھ کر پورا کردیا۔

تری عطا ہے میری احتیاج سے پہلے
کبھی سوال کی نوبت نہ تو نے آنے دی

ہم کو نیستی سے ہست کرنے کے بعد جس جود وسخا کی ہم پر بارش ہوئی ہے اس کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں۔ رحم مادر کے اندر ہماری جملہ ضروریات (جبکہ ہم کو اپنی کچھ بھی خبر نہیں تھی) جس درجہ مہر وکرم سے پوری کی جاتی ہیں ہر انسان آسانی سے خود ان کا تصور کرسکتا ہے، پھر ہماری پیدائش کے بعد جبکہ ہم بے بسی اور ناتوانی کی مجسم تصویر ہوتے ہیں رحمتِ خداوندی ماں باپ کی فطری محبت کے رنگ میں جس طرح ہماری خبرگیری اور پرورش کرتی ہے وہ حد درجہ حیرت انگیز ہے، گوشت کا ایک تھرکتا ہوا لوتھڑا پیدا ہوتے ہی ماں باپ کی مشفقانہ توجہ کا مرکز بن جاتا ہے، خود ہزار دُکھ اور تکلیف جھیل کر اس کو آرام پہنچاتے ہیں اور اسی میں وہ اپنی حقیقی خوشی اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ کیا کوئی انسان یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کی پیدائش کے بعد ماں باپ کی طرف سے اس کی پرورش میں جس بے غرضی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے کسی حق یا کسی عمل کا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں! پھر اس عالم میں ہمارے سفر کے شروع ہوتے ہی کس طرح ہماری سب ضروریات اور حاجات پورا کرنے کا ایک پُرحکمت سلسلہ خالق کی طرف سے ہمارے لئے پہلے سے تیار موجود ہوتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک حد سے زیادہ متواضع میزبان اپنے مہمان کی آمد سے قبل

اس کی خاطر و مدارات کے لئے ہر قسم کے سامان مکمل کر رکھے۔ ہماری پیدائش کے معاً بعد ہم کو چونکہ بڑی ہی لطیف غذا کی ضرورت تھی، اس لئے شیر مادر کا اہتمام ہماری پیدائش کے ساتھ ہی فوراً ظہور میں آجاتا ہے اور پھر یہ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے یہی شیر مادر جو شروع میں بہت ہی پتلا تھا (کیونکہ ہمارا معدہ ثقیل دودھ ہضم ہی نہ کرسکتا تھا) آہستہ آہستہ بھاری اور بوجھل ہوتا جاتا ہے یعنی پانی اور غذایت زیادہ کیا کبھی کسی نے یہ سوچا بھی ہے کہ کہاں کائنات کو خلق کرنے والی جبروت اور کبریائی کی مالک ذات کہ جس کے تصور سے ہی دل ہیبت اور خشیت سے لرز ہو جائیں اور کہاں ایک جانِ ناتواں، لیکن اس پر ذرہ نوازی کا یہ عالم کہ اس کے دنیا میں وارد ہوتے ہی اس کی حاجت براری کے سب سامان کمال التزام سے نہ صرف موجود بلکہ اس کی بدلتی ہوئی ضروریات سے مکمل طور سے ہم آہنگ۔

زندگی کے لئے انسان کو کیسے موزوں اور مناسب قویٰ عطا کئے گئے ہیں۔ دیکھنے کے لئے آنکھیں، سننے کے لئے کان، چکھنے کے لئے زبان، سونگھنے کے لئے ناک، کام کرنے کے لئے ہاتھ، چلنے پھرنے کے لئے ٹانگیں اور غور وفکر کرنے کے لئے دماغ۔ یہ سب طاقتیں خالق کے ہم پر عظیم انعام ہیں، لیکن شاید غفلت کے باعث کبھی ہم نے اس کا احساس بھی نہیں کیا ان میں سے اگر ایک بھی طاقت کسی بیماری کی وجہ سے عارضی طور سے ہم سے چھن جائے تو پھر اس کی اصل قدر و قیمت کا پتہ لگے مثلاً چلنے پھرنے کی طاقت کا کتنے لوگ شکر ادا کرتے ہیں لیکن اس کی قدر ذرا اس شخص سے پوچھو جو اس سے محروم ہے۔

اے خدا احسانِ تو اندر شمار
می نتانم بز بانِ صد ہزار
جان و گوش و چشم و ہوش و پاؤ دست
جملہ از دُرہائے احسانت پُر است

یعنی اے خدا تیرے احسان بے شمار ہیں جن کا ایک لاکھ زبانیں بھی شکر ادا کریں تو نہ کرسکیں۔ میری جان، میرے کان، میری آنکھیں، میرے ہوش وحواس اور میرے ہاتھ پاؤں یہ سب آپ کے احسان کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

فرض کرو کسی دور دراز ملک میں رہنے والا ایک شخص اپنے بہت سے خادم ہمارے پاس اس غرض سے بھیج دے کہ وہ ہر آن ہماری خدمت میں مصروف رہیں اور اپنی خدمت گذاری پر ہم سے قطعاً کوئی صلہ یا اجر نہ لیں اور باوجود انتہائی کوشش ہم اس محسن کے احسان کا رتی بھر بدلہ نہ چکا سکیں۔ آپ خود ہی کہیے کہ ایسے محسنِ عظیم کے لئے آپ کے دل میں کیا جذبات پیدا ہوں گے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی سب طاقتیں اور اعضاء وہ غلامِ بے دام ہیں جو خالق نے دن رات آپ کی خدمت پر مامور کر رکھے ہیں:

صد منتِ تو ہست بریں مشتِ خاکِ من
جانم رہینِ لطفِ عمیمِ تو ہم تنم

یعنی میرے اس وجود پر جو خاک کی ایک مٹھی ہے تیرے سینکڑوں احسان ہیں۔ میری جان بھی تیری عالمگیر مہربانیوں کی ممنوں ہے اور میرا جسم بھی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ ''درس قرآن کریم''

رشتہ داروں کے علاوہ جن پر انسان کو رحم آتا ہے یا ان سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے وہ ہیں یتامیٰ (جو یتیم کی جمع ہے) اور مساکین۔ یُتمٌ کے معنی کٹ جانے کے ہیں۔ وہ بچے جن کے ماں باپ مرگئے وہ اپنے ماں باپ سے کٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح لفظ یتامیٰ قرآن حکیم میں بیواؤں کے لئے بھی آتا ہے کہ وہ بھی اپنے خاوندوں سے کٹ جاتی ہیں۔ یتیمی یا بیوگی اکثر موت کے غم کے علاوہ مالی مشکلات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ہر صحیح النفس انسان کو یتیم یا بیوہ پر رحم آتا ہے اور اس سے ہمدردی ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ عملی ہمدردی یا رحم یہ ہے کہ ان کے ذرائع آمدنی جو کٹ گئے اس کی تلافی تم کرو۔ یہ لمبی مدّت بھی ہوسکتی ہے مگر دوسروں کے دُکھ میں شریک ہو جانا بہت اعلیٰ نیکی ہے۔

مسکین وہ غریب ہیں جو مثلاً لولے لنگڑے، اندھے، بیمار یا غربت کے مارے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ خود نہیں کما سکتے یا امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایک درزی جو اتنا غریب ہے کہ سینے کی مشین نہیں خرید سکتا اس کو مشین خرید کر دینا یا کسی غریب طالب علم کو وظیفہ دے کر تعلیم دلانا یہ سب مسکین کی مدد کرنا ہے اور یہ انسانی ہمدردی اور رحم کی اعلیٰ خوبیاں انسان کے اندر پیدا کرتا ہے۔

☆☆☆☆

درس قرآن۔ ۳۱

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور مال کو اس کی محبت کے باوجود دیتا ہے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں جن کی گردنیں دبی ہوئی ہیں انہیں چھڑانے کے لئے۔ اور نماز کو قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف اور دُکھ میں اور مقابلہ کے وقت، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے (اپنے ایمان کو) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں“۔ (سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱۷۷)

اس آیت کے پہلے حصہ کی تفسیر میں نے پچھلے درس میں کی تھی جس میں میں نے بتایا تھا کہ یہاں مضمون اسلامی تہذیب اور تمدن کا ہے۔ تہذیب و تمدن پہلے مشرق (East) میں تھے تو لوگوں کا منہ ادھر تھا اور ادھر سے وہ انہیں سیکھتے تھے۔ اب مغرب نے اپنے تمدن و تہذیب کا بہت ڈھنڈورا پیٹا اور دنیا کے لوگوں کے چہرے مغرب کی طرف ہو گئے۔ اور ایک وقت تھا کہ جو بات مغرب (West) سے آئے اسے لوگ اندھا دھند اختیار کرتے تھے اور مشرقی تہذیب و تمدن کی ہر بات کو دقیانوسی یا غلط سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے تھے جو مغرب کی ہر بات کو غلط یا ناروا سمجھتے تھے اور مشرق کی لکیر کے فقیر تھے۔ مگر انسانی تہذیب اور تمدن جہاں کا بھی ہو وہ ہمیشہ سطحی ہوتا تھا جو جلد بگڑ جاتا تھا جیسا کہ ہم مغربی تہذیب و تمدن کے ننگا ہونے کو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اس لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا ہے کہ انسانی تہذیبوں میں خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی چھوٹی چھوٹی ایسی باتیں تو ہوتی ہیں مگر بڑی خوبیاں یا نیکیاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اعلیٰ نیکیاں جو اصل تہذیب کی بنیاد ہیں وہ اللہ پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہی اعلیٰ ترین خوبیوں یا نیکیوں یا صفات کا وحی کے ذریعہ علم دیئے جانے سے انسان نے اپنا تصور اعلیٰ نیکیوں کا قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر انسان اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا خواہش مند ہو جاتا ہے جس کی تفصیل میں نے پچھلے درس میں بتائی تھی۔ پھر آخرت کے دن کے حساب کا خوف اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں سکھی رہنے کی خواہش بھی انسانوں کو بدیوں سے بچاتی اور نیکیاں کراتی ہے۔ اس لئے اس پر ایمان کو دوسرے نمبر پر رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعلیٰ نیکیوں کی ترغیب دینے کے لئے جو سامان کئے ہیں ان میں فرشتے ہیں جو باطن میں انسان کو نیکی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اس لئے فرشتوں پر ایمان کو تیسرے نمبر پر رکھا۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے باطن میں نگاہ رکھے اور جب کوئی نیکی کی تحریک ہو تو اسے فرشتہ کی اور اللہ طرف سے تحریک سمجھ کر اس پر فوراً عمل کرے۔ فرشتہ چونکہ باطن میں ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کی تحریک کی طرف کما حقہٗ انسان توجہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی مدد کے لئے اپنی کتاب اتاری جو سیاہ سفید Black and white میں بتاتی ہے کہ کیا بدیاں ہیں جن سے بچنا چاہیے اور کیا نیکیاں ہیں جنہیں اختیار کرنا چاہیے۔ اس لئے کتاب پر ایمان لانے کو چوتھے نمبر پر رکھا۔ پھر انسان کے آگے اعلیٰ نمونہ نیکیوں کا قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو اپنے عمل سے ثابت کرتے رہے کہ خدا کی کتاب کی تعلیم میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل عمل نہ ہو۔ الفاظ صرف نصیحت ہوتے ہیں۔ عملی نمونہ ایک زندہ چیز سامنے ہوتی ہے۔ اس لئے نبیوں پر ایمان کو

آخر میں رکھا۔ اب اللہ تعالیٰ کی کامل ترین اور محفوظ ترین کتاب صرف قرآن ہے اور اس پر مکمل عمل جو رسول اللہ صلعم نے کر کے دکھایا وہ سنت اور احادیث میں ایسا موجود ہے کہ آپ کی سیرت ہمارے سامنے جیتی جاگتی موجود ہے۔

تو اسلام کی تہذیب اور تمدن کی بنیاد مذکورہ بالا روحانی اور باطنی امور پر ہے۔ اب آیئے اس دنیا کی زندگی کے سامان پر۔ دوسرے مذاہب نے تو دنیا اور اس کے ساز و سامان کو روحانی اور اخلاقی قدروں (Values) کے منافی سمجھا اور ترغیب دی کہ دنیا کو ترک کر کے راہب بن جاؤ یا نن بن جاؤ یا سادھو یا بھکشو۔ مگر اس طرح نہ تو دنیاوی ترقیات ہو سکتی ہیں اور نہ نسل انسانی باقی رہ سکتی ہے اگر سب شادی بیاہ چھوڑ دیں جیسا کہ تارک الدنیا لوگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ اس نے دنیا اس کے سامانوں کو بھی بیکار نہیں بنایا۔ مثلاً مال کو لے لیجئے۔ ساری دنیا اس کو کمانے میں صبح سے لے کر شام تک بلکہ راتوں کو جاگ کر بھی لگی رہتی ہے۔ اور دنیاوی تہذیبوں کی بنیاد بھی مال کمانے پر رہی ہے۔ مثلاً آج سرمایہ داری یا Capitalism ہو یا اشتراکیت Communism دونوں کی بنیاد مال دنیا پر ہے۔ مگر دونوں مال کو صرف اپنے لئے کمانے پر مبنی ہیں۔ اس سے لالچ، طمع، حرص، ہوس، نفس پرستی، چوری، بد دیانتی اور تمام برائیاں اور جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن نے جہاں مال کو حلال طریقوں سے کمانے پر زور دیا ہے۔ وہاں اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے ضروری اخراجات پورا کرنے کے بعد دوسروں پر خرچ کرنے پر زور دیا ہے جس کی تفصیل اسی آیت میں ہے۔ تبھی انسان حیوانیت کی سطح سے اُوپر اٹھتا ہے ورنہ صرف اپنے لئے یا اپنی بیوی بچوں کے لئے ہر چیز کو رکھنا تو حیوان کی خاصیت ہے۔ اسی لئے سرمایہ داری نظام (Capitalism) ہو یا اشتراکی (کمیونزم) میں آج ہم حیوانیت کو غالب آتا دیکھتے ہیں۔

آج کی آیت جو زیر غور ہے اس میں وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ جس کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو حُبِّــهٖ کی ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لیا جائے تو اس طرح معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے وہ مال کو دوسرے حاجتمندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مال و دولت دیتا چلا جاتا ہے وہ بھی اللہ کی مخلوق کو مال دے کر اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسرے معنی یوں بنتے ہیں کہ حبّـــہٖ کی ضمیر مال کی طرف لی جائے اور میری حقیر رائے میں یہاں یہ معنی زیادہ اچھے لگتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت انسان کے دل میں پیدا کی ہے۔ (ورنہ انسان دنیا کی جدوجہد اور ترقیات میں کہاں پڑتا) تو اس مال کی محبت کے باوجود وہ اُسے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں یعنی اپنے دل پہ یا اپنی حیوانی خواہش پر چھری پھیرتے ہیں اور مال کو دوسروں کو بھی دیتے ہیں۔

مال تو حکومت بھی لے لیتی ہے خصوصاً کمیونزم میں مگر اس مال کو دینے میں انسان میں وہ اعلیٰ خوبیاں نہیں پیدا ہوتیں جن پر اسلامی تہذیب و تمدن کی ہے۔ انسان ہمدردی اور دوسروں پر رحم یہ بہت اعلیٰ خوبیاں ہیں۔ اور چونکہ انسان کا اپنے رشتہ داروں سے خونی رشتہ ہوتا ہے اس لئے ان سے ہمدردی یا ان پر رحم آنا نہ صرف فطرتی بات ہے بلکہ ان سے ہمدردی نہ کرنا یا ان پر رحم نہ کرنا انتہائی سفاکی اور سخت دلی اور نفس پرستی ہے۔ اس لئے رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کو سب پر مقدم کیا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ان کا حق ہے تمہارے مالوں میں واٰت ذاالقربٰی حقّه' (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶) رشتہ داروں کو اس کا حق دو، جو جتنا نزدیک ہے یا جتنا حاجت مند ہے اُتنا ہی اس کا حق زیادہ ہے۔ دنیاداروں اور مال کی پرستش کرنے والوں یعنی مال کو صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے سمجھنے والوں (جو حیوانی سطح ہے) کا ہمیشہ یہ کہنا ہوتا ہے کہ گورنمنٹ دوسروں کو سنبھالے۔ کوئی گورنمنٹ اسے پورا نہیں کر سکتی۔ اور اگر کرے گی تو لوگوں سے مال لے کر ہی۔ مگر اس میں نہ تو انسان کے اندر دوسروں کی ہمدردی نہ رحم کے اعلیٰ جذبات نشو و نما پاتے ہیں اور نہ کوئی ثواب ہے۔ اسلام نے فرمایا ہے کہ تم اپنی اپنی جگہ اپنے رشتہ داروں اور دوسرے حاجت مندوں کو سنبھالو۔ تم ان کے حالات بہتر سمجھتے ہو نہ کہ کوئی سرکاری کارندہ۔ اور تم اپنے اندر انسانی ہمدردی اور رحم کے اعلیٰ جذبات یا اعلیٰ نیکیاں پیدا کرو۔ پھر آپس میں محبت بھی اسی طرح بڑھتی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 25)

جواہر پارے

از: ثناء ناصر، شاہدرہ (ایم بی بی ایس، فائنل ائیر)

(۱): آپ کے رب نے یہ قطعی اور آخری فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کی جائے اور اس کے بعد ماں باپ پر احسان کیا جائے۔ (فرمان الٰہی)

(۲): جب نیکی تمہیں مسرور کرے اور برائی تمہیں افسردہ کرے تو تم مومن ہو۔ (نبی آخرالزمان)

(۳): بے حیائی جس چیز میں ہوتی ہے اُسے عیب دار بنا دیتی ہے اور حیا جس چیز میں بھی ہوتی ہے اُسے زینت بخشتی ہے۔ (ترمذی)

(۴): حق کا پرستار کبھی ذلیل نہیں ہوتا چاہے سارا زمانہ اس کے خلاف ہو جائے اور باطل کا پیروکار کبھی عزت نہیں پاتا چاہے چاند اُس کی پیشانی پر نکل آئے۔ (حضرت عائشہؓ)

(۵): دوسروں کے عیب تلاش کرنے والوں کی مثال اُس مکھی جیسی ہے جو سارا خوبصورت جسم چھوڑ کر زخم پر بیٹھتی ہے۔ (حضرت عثمانؓ)

(۶): تم اچھا کرو اور زمانہ تمہیں بُرا کہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بجائے اس کے کہ تم بُرا کرو اور زمانہ تمہیں اچھا کہے۔ (حضرت علیؓ)

(۷): جس انسان کو سال بھر کوئی تکلیف یا کوئی رنج نہ پہنچے تو وہ یہ جان لے کہ اُس کا رب اُس سے ناراض ہو گیا ہے۔ (حضرت علیؓ)

(۸): اگر کوئی تم پر احسان کرے تو پہلے حق کا شکر یہ ادا کرو پھر اُس شخص کا کیونکہ خدا نے اُسے تم پر مہربان کیا ہے۔ (حضرت بایزید بسطامی)

(۹): مخلوقات اور غیر اللہ سے صرف وہ لوگ سوال کرتے ہیں جن کا یقین و ایمان ضعیف ہے اور جن میں صبر و توکل نابود ہے۔ (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

(۱۰): عقل مند اور بے وقوفوں میں کچھ نہ کچھ عیب ضرور ہوتا ہے۔ عقلمند اپنے عیب کو خود دیکھتا ہے اور بیوقوف کے عیب دنیا دیکھتی ہے۔ (شیخ سعدی)

(۱۱): انسان دُکھ نہیں دیتے، انسانوں سے وابستہ امیدیں دُکھ دیتی ہیں۔ (مجددِ اعظم)

(۱۲): اگر کوئی چیز اچھی ہے تو وہ عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو وہ اسلام نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلام کا مطلب ہی عین انصاف ہے۔ (قائداعظم)

(۱۳): جو آدمی اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے دنیا اُس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ (امیر قوم مولانا محمد علیؒ)

(۱۴): کاہل صرف وہی شخص نہیں ہوتا جو کچھ نہ کرے بلکہ وہ شخص بھی کاہل ہے جو بہتر کر سکتا ہو مگر نہ کرے۔ (سقراط)

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس لکچار شید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

جذبہِ خدمت

از: چوہدری ناصر احمد صاحب، شاہدرہ (ایم۔اے)

کرو خدمتِ انجمن کچھ اس انداز سے یارو
ثمر سے لدے ، عاجزی سے جھکے ، پیڑ کی مانند
آندھیاں آئیں، طوفان آئے ، سیلاب اُمڈے نفرتوں کے
مگر ڈٹے رہے یہ معصوم دل اک ٹھوس چٹان کی مانند
ملیں جب ٹھوکریں اپنوں کے طوطا چشم روّیوں سے
ایمان پھر بھی متزلزل نہ ہوا، زلزلہ زدہ زمین کی مانند
اخلاق کی بلندیوں کو سنبھالا ، کردار کی عظمت کو للکارا
کلیجہ کاٹا گیا ، دل کو توڑا گیا ، کانچ کے پتھر کی مانند
خواہشوں کے انبار مسخ ڈالے، احساس مروّت بھی کچل ڈالے
تو اب پھر نفس نے پنپنا چاہا ، بگڑتے ناسور کی مانند
ضمیرِ احباب جھنجھوڑے گئے تزکیہ نفس کی خاطر
ہوگئی ملنی راہنمائی امیرِ کارواں کے الفاظ کی مانند
کریں قائم اپنے احسانوں کی چھت اُس ستون پہ ناصؔر
نہ ہو جس کی بنیاد صلہ کی توقع کی مانند

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے علمی کارنامے

(از کلام علوی شعری مجموعہ محمد اعظم علوی)

آسودۂ منزل کس سے کہوں کیا گذری دین کے ماتوں پر
جو نور کے تڑکے جاگے تھے کس طور سے ان کی شام ہوئی

امید کا دامن ہاتھ میں تھا، ارمان سہارے دیتے تھے
تدبیر تو گھر کی باندی تھی تقدیر بھی زیرِ دام ہوئی

جو درد تھا اپنے سینے میں جو شمع فروزاں تھی دل میں
ہر شہر میں اس کا چرچا تھا ہر ملک میں شہرت عام ہوئی

اے جان مسیحا نام ترا، ہر ملک میں دینِ عظمت ہے
کچھ اپنی کوشش شامل ہے لیکن وہ برائے نام ہوئی

تفسیر نے تیری توڑ دیئے باطل کے گھروندے دنیا میں
توحید کا چرچا عام ہوا تثلیث بہت بدنام ہوئی

کچھ دل کی دھڑکن کہتی تھی کچھ یادوں نے مجبور کیا
ہم جیسے تیسے چلتے رہے کچھ راہ بخیر انجام ہوئی

جب تیری یادیں روشن تھیں سب راہیں روشن تھیں
جب تیری یادیں دھندلائیں، تدبیر جو کی ناکام ہوئی

جو زخم سیا تھا اپنوں نے اک نالۂ غم کے ہاتھوں سے
وہ ٹانکا ٹوٹ گیا اور سانس بھی خوں آشام ہوئی

گو شام و سحر کے پیمانے بوڑھے بھی ہیں کمزور بھی ہیں
یہ دَور ہے تجھ سے عارف کا، جو بات کہی اسلام ہوئی